علمی و تحقیقی مجلّہ

پیغامِ آشنا

ثقافتی قونصلیٹ سفارت اسلامی جمہوریہ ایران۔ اسلام آباد

جلد ۲۱، شمارہ ۸۳، سال ۲۰۲۱ء

(اپریل تا جون)

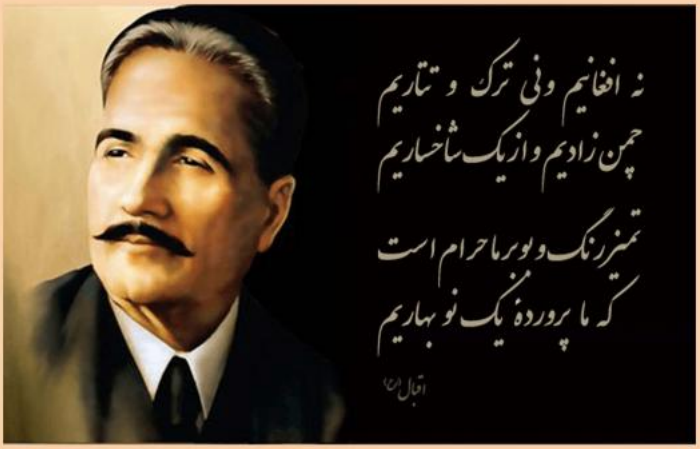

ISSN: 2079-4568

بسم الله الرحمن الرحيم

اہم گزارشات

- ایران اور پاکستان صدیوں سے دوستی اور اخوت کے بے شمار رشتوں میں منسلک ہیں۔ پیغام آشنا کے اجراء کا مقصد ان دونوں ملکوں کے درمیان اس خطے کی مشترکہ علمی، ادبی، تاریخی اور ثقافتی میراث کو محفوظ اور مستحکم بنانا ہے۔
- پیغام آشنا ایچ۔ای۔سی سے منظور شدہ تحقیقی مجلہ ہے جس میں فارسی اور اردو زبان و ادب کے حوالے سے غیر مطبوعہ مقالات ''ایچ ای سی'' کے طے کردہ ضوابط کے مطابق شائع کیے جاتے ہیں۔
- مقالے کا ''ایچ ای سی'' کے مجوزہ روش تحقیق اے، پی اے (APA) پر مشتمل ہونا لازمی ہے۔
- تمام مقالات مجلس مشاورت کی منظوری کے بعد شائع کیے جاتے ہیں۔
- اشاعت کے لیے قبول کیے جانے والے مقالات میں ادارہ ضروری ادارتی ترمیم، تنسیخ اور تلخیص کا حق محفوظ رکھتا ہے۔
- مقالہ ارسال کرتے ہوئے درج ذیل اصولوں کو ملحوظ رکھا جائے جو کہ آج کے ترقی یافتہ علمی دنیا میں بالعموم رائج ہیں۔ مقالہ اے فور جسامت کے کاغذ پر ایک ہی جانب کمپوز کروا کر بھیجا جائے۔ مقالے کے ساتھ اردو اور انگریزی زبان میں خلاصہ (Abstract) (تقریباً ۱۰۰ الفاظ) کلیدی الفاظ اور عنوان ضرور شامل کیا جائے۔ مقالے کی سی ڈی بھی ساتھ ضرور ارسال فرمائیں۔ یعنی مقالہ کی ''ہارڈ'' اور ''سوفٹ'' کاپی دونوں ارسال کی جائیں۔
- مقالہ کے عنوان کا انگریزی ترجمہ، مقالہ نگار کے نام کے انگریزی ہجے اور موجودہ عہدہ، نیز مکمل پتہ، برقی پتہ اور فون نمبر درج کیا جائے۔

ہائیر ایجوکیشن کمیشن پاکستان سے منظور شدہ

سہ ماہی

پیغامِ آشنا

جلد۔۲۱، شمارہ۔۸۳، سال ۲۰۲۱ء

(اپریل تا جون)

(اقبال نمبر)

مدیر اعلیٰ

احسان خزاعی

مدیر (اعزازی)

ڈاکٹر علی کمیل قزلباش

ثقافتی قونصلیٹ

سفارت اسلامی جمہوریہ ایران۔ اسلام آباد

مکان نمبر ۲۵، گلی نمبر ۲۷، ایف ۶/۲، اسلام آباد۔ ف

فون نمبر: ۸۔۲۸۲۷۹۳۷ ۰۵۱ فیکس ۲۸۲۷۱۷۷۴ ۰۵۱

برقی پتہ: iran.council@gmail.com,payghameashna@gmail.com

ویب سائٹ: http://islamabad.icro.ir/

Facebook address: https://www.facebook.com/raiezani/

ISSN:2079-4568

مجلس ادارت

افتخار عارف، سابق ڈائریکٹر جنرل، ادارہ فروغ اردو، اسلام آباد

پروفیسر ڈاکٹر محمد سلیم اختر، سابق استاد قائداعظم یونیورسٹی۔ اسلام آباد

ڈاکٹر ہلال نقوی، پاکستان اسٹڈی سنٹر، کراچی یونیورسٹی، کراچی

ڈاکٹر محمد اکرم اکرام، صدر، اقبال چیئر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر مہر نور محمد خان، سابق صدر، شعبہ فارسی، نمل یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر محمد یوسف خشک، چیئرمین اکادمی ادبیات پاکستان۔ اسلام آباد

ڈاکٹر شگفتہ موسوی، سابق صدر شعبہ فارسی، نمل اسلام آباد

ڈاکٹر محمد سفیر، صدر شعبہ فارسی نمل۔ اسلام آباد

مجلس مشاورت

ڈاکٹر ابراہیم محمد ابراہیم، صدر، شعبہ اردو، الازہر یونیورسٹی، قاہرہ، مصر

ڈاکٹر حیدر رضا ضابط، اسلامی تحقیقی مرکز، آستان قدس رضوی، مشہد، ایران

ڈاکٹر خلیل طوق آر، صدر، شعبہ اردو، انقرہ یونیورسٹی، استنبول، ترکی

پروفیسر ڈاکٹر خالد محمود خٹک۔ صدر، شعبہ اردو، جامعہ بلوچستان۔ کوئٹہ

پروفیسر سحر انصاری، انجمن ترقی اردو، کراچی

ڈاکٹر عبداللہ جان عابد، صدر، شعبہ پاکستانی زبانیں، علامہ اقبال یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر عراق رضا، صدر، شعبہ فارسی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی، ہندوستان

ڈاکٹر علی بیات، صدر، شعبہ اردو، تہران یونیورسٹی، تہران

ڈاکٹر مقصود الٰہی شیخ محقق، دانشور، بریڈفورد، انگلستان

ڈاکٹر محمد ناصر، صدر، شعبہ فارسی، اورینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر نجیبہ عارف، ڈین، اسلامک انٹرنیشنل یونیورسٹی، اسلام آباد

فہرست

اداریہ		
پیامِ مشرق میں ہیئت کے نئے تجربات	روزینہ انجم نقوی	۹
کلامِ اقبال (فارسی) میں مسلمانوں کی ثقافت و اقدار کی بقا اور عصرِ حاضر	محمد طاہر بوستان خان / سائرہ ارشاد	۱۹
مثالی خواتین اور اقبال کی نظر میں حقیقتِ زن	قمر بتول	۳۵
علامہ اقبال اور دیگر ادبی مشاہیر کی رثائی شاعری	نصیر احمد اسد/عبدالمنان چیمہ/آصف اقبال	۴۷
علامہ اقبال کا تصورِ مردِ مومن اور بلوچستان کے نوجوان	حسن آراء مگسی	۵۹
زبان کی اساس، ساخت اور اردو (ایک نیا زاویہ)	ناہید خان	۶۹
کلامِ زکی میں فکری و فنی محاسن	محمد اعجاز تبسم	۸۲

اداریہ

به آن رازی که گفتم پی نبردند ز شاخ نخل من خرما نخوردند
من ای میر امم داد از تو خواهم مرا یاران غزلخوانی شمردند

ایران کے مشاہیر میں فردوسی، رومی، حافظ، نظامی اور سعدی جیسے نام لئے جاسکتے ہیں۔اسی طرح پاکستان کی شناخت کا اہم ترین اور توانا ترین حوالہ علامہ محمد اقبال ہیں جن کے نام سے دنیا بھر میں پاکستان کو وقار ملتا ہے بلکہ شناخت ملتی ہے۔ یہاں ایران کا حوالہ دیا جاسکتا ہے کہ جہاں اکثر پاکستانیوں کا اہل ایران کی جانب سے گرمجوشی سے استقبال صرف اس لئے ہوتا ہے کہ وہ اقبال کا ہم وطن ہے۔ایران میں اقبال کی محبت کا عالم یہ ہے کہ وہاں کے ہر ہر فرد کو نہیں تو کم از کم ہر دوسرے تیسرے فرد کو اقبال کا کچھ نہ کچھ کلام ضرور ازبر ہے۔بلکہ ایک مزدور سے لے کر وزیر، صدر اور رہبر تک کو اقبال ازبر ہے۔

رہبر معظم حضرت آیت اللہ خامنہ ای تو اقبال سے عقیدت رکھتے ہیں اور ان کی کتاب،،ستارہ بلند شرق،،ان کی اقبال دوستی اور اقبال شناسی کی عمدہ مثال ہے۔جبکہ ایران کی یونیورسٹیوں میں اقبال پر بڑی تیزی سے کام ہو رہا ہے اور ایران بھر میں ان کے نام سے ادارے،سکول اور سڑکوں کے نام رکھے جا چکے ہیں۔

قابل ذکر یہ کہ انقلاب اسلامی سے قبل،اقبال کو ایران میں یہ مقام حاصل نہیں تھا اور نا ہی اقبال شناسی کی روایت اتنی مقبول تھی بلکہ اس وقت کی رژیم کو اقبال پسند ہی نہیں تھا کیونکہ وہ ایک جابر اور آمر حکومت تھی اور اقبال کا کلام آمریت کی مخالف آواز۔دوسری جانب اقبال نے یہ پیش گوئی بھی فرمائی تھی کہ

می رسد مردی که زنجیر غلامان بشکند

دیده ام از روزن دیوار زندان شما

اقبال کی بڑی خواہش تھی کہ ایران کا دورہ کرے اور اس سرزمین کو قریب سے دیکھے جہاں کے مشاہیر نے اسے اقبال بنا سکھایا۔لیکن اس وقت کی قدر ناشناس حکومت کو یہ اعزاز حاصل نا ہوسکا۔

اس وقت یہ امر لازم ہے کہ ایران کی طرح پاکستانی بچوں اور جوانوں کو اقبال اور ان کے کلام سے روشناس کیا جائے،ان کا کلام انہیں ازبر کروایا جائے،ان کے کلام کی تفہیم کروائی جائے کیونکہ اقبال کا کلام نا صرف پاکستان کا منشور ہے بلکہ حریت اور اسلام محمدی ﷺ کا پیغام بھی ہے۔

ہماری کوشش ہوتی ہے کہ اقبال کے حوالے سے زیادہ سے زیادہ خدمت انجام دے سکیں کیونکہ عرفا اور کلاسیک شعرا کے بعد یہ واحد ہستی ہیں جو اس وقت پاکستان میں فارسی کی آبرو اور آواز ہیں اور ایران اور پاکستان کی دوستی کا ایک مضبوط حوالہ۔یہ شمارہ تقریبا اقبال پر مشتمل مقالات سے مملو ہے اور اقبال نمبر کے طور پر اہل پاکستان کی خدمت میں بطور ارمغان پیش کیا جارہا ہے۔

پاک ایران دوستی پائندہ باد

احسان خزاعی

پیام مشرق میں ہیئت کے نئے تجربات

*ڈاکٹر روزینہ انجم نقوی

New body experiments in Payam Mashreeq

Dr. Rozina Anjum

Poetry is an art and the poet uses high imaginative abilities to express his precious thoughts in rare way which creates sweetess,charm in it and leaves an indelible impression on the mind of reader.Such an untouchable style has been adoped Allama Muhammad Iqbal inhis 3rd Persian poetry book Pyam-e-Mashriq.There are of course,brand new experiments in poetry .These experiments are described in this article.

Keywords:

Iqbal, pyam-e-Mashriq, imagination,

پیام مشرق علامہ اقبال کی تیسری تصنیف ہے جو پہلی مرتبہ ۱۹۲۳ میں شائع ہوئی۔اس کتاب کے لکھنے کی وجہ خود ہی دیباچہ میں یوں تحریر کی ہے۔

"پیام مشرق کی تصنیف کا تو محرک جرمن حکیم حیات گوئٹے کا مغربی دیوان ہے"(۱)

☆* اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ فارسی،اسلامیہ یونیورسٹی بھاول پور۔

یہ کتاب افغانستان کے معاصر حکمران امیر امان اللہ خان کے نام ممنون کی گئی ہے۔ پیام مشرق چار حصوں پر مشتمل ہے پہلے حصے میں لالہ طور کے نام سے رباعیات ہیں۔ رباعیات کا اسلوب مشہور ایرانی رباعی گو باباطاہر عریان جیسا ہے۔ یوں روائتی انداز سے ہٹ کر پانچویں صدی ہجری کے شاعر والا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ لالہ طور میں ایک سو تریسٹھ رباعیاں ہیں۔ ان میں انتہائی مہارت کے ساتھ مختلف مسائل کو موضوع سخن بنایا گیا ہے۔

لالہ طور کی سب سے پہلی رباعی کلاسیکی شاعری کے مخصوص انداز میں لکھی گئی ہے۔ یہ رباعی الفاظ کے حسن انتخاب کی تابانی اور تشبیہ کی لطافت اور رعنائی کے باعث اپنی مثال آپ ہے اور علامہ صاحب کے فکر و فن کی لطیف ہم آہنگی کی خبر دیتی ہے۔ رباعی دیکھئے۔

شهید ناز او بزم وجود است　　نیاز اند نهاد هست و بود است

نمی بینی که از مهر فلک تاب　　بسیمای سحر داغ سجود است(۲)

ان رباعیات میں اقبال نے انسانی زندگی کے باطنی پہلو کو شاعرانہ انداز میں ظاہر کیا ہے اور اس سے متعلق اہم مسائل پر اظہار خیال کیا ہے۔ بہر حال ان رباعیات سے اقبال کی وسعت نظر اور گہرای آشکار ہوتی ہے۔

پیام مشرق کے دوسرے حصے کا نام افکار ہے یہ کتاب کا سب سے ضخیم حصہ ہے اس میں اکیاون نظمیں ہیں۔ تیسرا حصہ مئی باقی غزلیات کا ہے یہ اصطلاح حافظ سے لی گئی ہے۔ ان غزلیات میں وہی شگفتگی اور رعنائی ہے جو کلام حافظ کی نمایاں خوبی ہے۔ بعض غزلیں رومی کے تتبع میں لکھی گئی ہیں۔

چوتھا حصہ نقش فرنگ ایک طویل ترکیب بند سے شروع ہوتا ہے۔ جس کا عنوان پیام ہے۔ اس میں مغرب کے نظام حیات کا بے مثال جرات اور بصیرت کے ساتھ نہ صرف تجزیہ کیا گیا ہے بلکہ اپنے رد عمل کا اظہار بھی کیا گیا ہے۔ آخر میں خردہ ہے۔ ان اشعار میں اقبال نے کوئی نہ کوئی نقطہ ضرور بیان کیا ہے جن سے علامہ اقبال کے مخصوص فلسفہء زندگی، ذوق و جستجو اور خوبصورت تخلیق کی مثالیں ملتی ہیں۔

زیرنظر حصہ دوم افکار ہے۔اس میں اقبال نے اپنے فلسفہ وفکر کے مختلف پہلوؤں کا اظہار کیا ہے"موضوعات میں عظمت آدم،تسخیر فطرت،فلسفہ زمان،عشق وخرد،زندگی وعمل،سوز وساز،جوش وکردار،تخلیق وارتقاء،آزادی وغلامی اسلام، جمہوریت اورتہذیب وغیرہ شامل ہیں(۳)

علامہ اقبال کی فنکارانہ تخلیقات کا آغاز ہی پیام مشرق سے ہوتا ہے۔مثلا جوحصہ نظموں پر مشتمل ہے اس کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ایک روایتی اور دوسرا جس میں شاعر نے ہیت کے اعتبار سے نئے تجربے کئے ہیں اور یوں یہ فارسی شاعری میں ایک نئی روایت کا آغاز ہے جو درج ذیل نظموں میں ہے۔

فصل بہار،کرمک شب تاب،حدی نغمہ سار بان حجاز اور شبنم

فصل بہار اس کے چھ بند ہیں اور ہر بند میں سات مصرے ہیں اور ہر بند کا پہلا اور آخری مصرعہ ایک ہی ہے۔گویا ایک مصرع پورے طول کا پھر پانچ مصرعے نصف طول کے اور آخر میں بند کی تکمیل کے لئے پورے مصرع کا اعادہ۔سبھی مصرعے ہم قافیہ ہیں مگر اگلے بند میں پہلا اور آخری مصرع مختلف ہے۔پہلے والے سے ردیف اور قافیہ بھی الگ ہے اور یوں پوری نظم میں ایک فقرے کی بھی تکرار نہیں یہ ایک نئی ہیت میں لکھی گئی نظم ہے۔اس میں مصرعوں کا اتار چڑھاو جذبات میں زیر وبم پیدا کرتی ہے جس سے ہیجان کی سی کیفیت نمودار ہوتی ہے۔دیکھئیے نمونہ کے طور پر۔

حجرہ نشینی گزار، گوشہ صحرا گزیں برلب جوئے نشیں

آب روان را به بیں نرگس ناز آفریں

لخت دل فرور دیں بوسه نشیں بر جبیں

حجرہ نشینی گزار، گوشہ صحرا گزیں (۴)

یہ نظم ایک دلکش بہاریہ نظم ہے۔جس میں شاعری اور موسیقی دونوں ملی ہوئی ہیں۔اس میں شاعر نے لفظوں کے ساتھ موسم بہار کی تصویر بنادی ہے اور قاری کو اس دلکش منظر سے لطف اندوز ہونے کی دعوت دی ہے کہ اے مخاطب

حجرے سے نکل کر مناظر فطرت کا نظارہ کر۔

نظم سرود انجم آٹھ بندوں پر مشتمل ہے اور اس کی ہیت فصل بہار سے ملتی ہے۔ اس میں ہر بند کے پانچ مصرعے ہیں پہلے چار مصرے ہم وزن ہیں جبکہ پانچواں مصرعہ پہلے چاروں کی نسبت طویل ہو گیا ہے اور اس کا پہلا حصہ تو پہلے چار مصرعوں کا ہم قافیہ اور ہم ردیف ہے مگر دوسرا حصہ پانچویں مصرعے کے دوسرے حصے کا تکرار ہے اور یوں تنوع اور تکرار کی کیفیت نے نظم میں ایک دلکش آہنگ پیدا کر دیا ہے۔ موسیقیت اعلی درجہ کی ہے جو مصرعوں میں روانی سے پیدا ہو گئی ہے۔

بہر حال اس نظم پر ابو الاعجاز حفیظ صدیقی صاحب کا تجزیہ قابل غور ہے کہ وہ اسے نئی ہیت قرار نہیں دیتے بلکہ مسمط کی وہ شکل کہتے ہیں جسے مسدس کی معیاری ہیت قرار دیا جا سکتا ہے۔ مثلا کہتے ہیں۔

"اس نظم میں دگنے طول کے جو مصرعے آئے ہیں اگر انہیں بھی دو دو مصرے مان لیا جائے تو کہ سکتے ہیں کہ یہ مسدس ہے جس میں پہلا بند موجود نہیں اور چھٹے مصرعے کی صورت ترجیع ہر بند میں تکرار ہو رہی ہے۔ مذکورہ بالا (پہلا بند) کو اگر اس شکل میں لکھ دیا جائے تو بات واضح ہو جائے گی۔"

هستی ما نظام ما مستی ما خرام ما

گردش بی مقام ما زندگی دوام ما

دور فلک بکام ما می نگریم و می رویم(۵)

یعنی دور فلک بکام ما می نگریم و می رویم کو مندرجہ بالا مصرعوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

اس طرح اس کو ہم مسدس کہ سکتے ہیں۔ بہر حال مصرعوں میں سلاست موجود ہے۔ جس سے حرکت کا تصور ابھرتا ہے اور پھر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ستارے زمانے کے زیر و بم یا نشیب و فراز کی کہانی سنا رہے ہیں اور زمانے کی پوری تصویر کھینچ رہی ہے۔ گویا یہ نظم صفات تخیلی سے بھر پور ہے۔ نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہو۔

خواجه ز سروری گذشت بنده ز چاکری گذشت

زاری و قیصری گذشت دور سکندری گذشت

شیوهء بت گری گذشت، می نگریم می رویم(۶) کرمک شب تاب

اس نظم میں اقبال کی قوت تخیل کمال کو پہنچی نظر آتی ہے اگر چہ اس سے پہلے بھی بانگ درا میں جگنو پر ایک دلکش نظم لکھی لیکن اس نظم میں اقبال پر تصوف کا رنگ جما ہوا ہے کہ ماضی کی کوتاہی پر افسوس کرنے کی بجائے منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے مسلسل جدو جہد کی جائے دراصل تب و تاب میں ہی زندگی ہے۔

بحیثیت مجموعی اس نظم کی ہیت پہلی دونوں نظموں سے مختلف ہے اور مستزاد کی یاد دلاتی ہے۔مستزاد پانچویں صدی ہجری سے فارسی میں شروع ہوئی۔جس کا پہلا نمائندہ شاعر مسعود سعد سلیمان لاہوری ہے اور پھر اب تک جاری رہی لیکن اقبال کے مستزادات کے نمونے جیسے دیگر فارسی شاعروں میں نظر نہیں آتے یہی وجہ ہے کہ اقبال اس میں اپنا منفرد مقام رکھتے ہیں اس کے بارے میں ڈاکٹر محمد ریاض کی رائے ہے۔

"مصرع اول اور مصرع ثانی معنوی طور پر کہیں مربوط ہیں اور کہیں غیر مربوط مگر مجموعی طور پر بڑے مصرعے پر ایک چھوٹا مصرع یا چند مصرعوں پر ایک ہم وزن یا مختلف الوزن مصرع اضافہ شدہ نظر آتا ہے"(۷)

بالکل اس نظم میں ہر دو مصرعوں کے بعد ایک چھوٹا مصرع آتا ہے مثال کے طور پر ملاحظہ کیجئے۔

ای کرمک شب تاب سراپائے تو نور است پرواز تو یک سلسله غیب و حضور است

آهین ظهور است در تیره شبستان مشعل مرغان شب استی

آن سوز چه سوز است که در تاب و تب استی گرم طلب استی(۸)

یوں ایک چھوٹے سے مصرعے کی تکرار سے شعر میں تنوع آگیا ہے جس نے نظم خوش آہنگ اور دلفریب ہوگئی ہے۔ موسیقیت کا عنصر اپنی جگہ موجود ہے اس طرح مصورانہ رعنائی اور اچھوتی تشبیہات کے باعث اثر آفرینی پیدا ہوگئی ہے کہ جب ایک حقیر مخلوق جگنو نے اپنے اندر سوز و گداز پیدا کرلیا تو وہ سراپا آتش بن گیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس سراپا آتش نے رات کی تاریکی کو اپنی ضیاء سے منور کر دیا۔

حدی نغمہ ساربان حجاز

یہ نظم اپنی ہیت کہ اعتبار سے نظم سرود انجم کے زیادہ قریب ہے۔ اس پوری نظم کے آٹھ بند ہیں اور ہر بند چھ مصرعوں پر مشتمل ہے۔ آخری مصرع پہلے پانچ مصرعوں کی نسبت طویل ہے اور اس آخری مصرع کے ہر بند کے بعد تکرار ہے جس سے تندی و تیزی ہیجان و حرکت کا احساس ملتا ہے۔ تکرار کے پیرایہ اظہار سے ترجیع بند کا احساس ملتا ہے۔ اس نظم میں دشت و صحرا کی وسعتوں کو عبور کر کے منزل مقصود کو پالینے کا پیغام ہے۔

دراصل حدی وہ نغمہ ہے جو ساربان اپنی ناقہ کو سناتا ہے تاکہ وہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھتی جائے۔ درپردہ اقبال یہ آگے بڑھنے کا شوق اپنی قوم میں دیکھنا چاہتے ہیں اور ان سے ہی مخاطب ہیں نمونہ کے طور پر بند ملاحظہ ہو۔

شام تو اندر یمن صبح تو اندر قرن
ریگ درشت وطن پائی ترا یا سمن
ای جو غزال ختن تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست (۹)

آخر میں اقبال نے خود اس نظم کو دلکش کہا ہے جس کی یہ خوبی بیان کی ہے کہ وہ فتنہ رہا بھی ہے اور فتنہ زا بھی

شبنم

یہ نظم ہیت کے اعتبار سے پہلی ساری نظموں سے مختلف ہے اس نظم میں نو بند ہیں ہر بند کے آغاز میں ایک مکمل شعر ہے اس کے بعد تین مصرعے ہیں اور یہ تینوں مصرعے پہلے شعر کے ساتھ ہم ردیف ہیں مگر اس کے

مصرعے چھوٹے ہیں گویا پوری نظم میں الفاظ کے اتار چڑھاو سے جذبات میں ایک ردھم پیدا ہو جاتا ہے اور یہ علامہ اقبال کے تربیت یافتہ ذوق ،نغمہ وآہنگ کی قابل اعتماد حس اور ترنم آفریں ادبی وجدان کا ثبوت ہے اور صحیح معنوں میں علامہ اقبال نے اپنے عمیق افکار کو اس میں سمویا ہے مثلاً شبنم کی زبان سے خدا اور انسان اور کائنات سے متعلقہ مسائل کا حل اپنے مخصوص انداز میں پیش کیا ہے ۔ پہلا بند دیکھیں ۔

گفتند فرود آی ز اوج مه و پرویز بر خود زن و با بحر پر آشوب بیا میز

با موج در آویز نقش دگر اندیز

تابنده گهر خیز(۱۰)

گویا ہر بند پانچ ہم قافیہ مصرعوں پر مشتمل ہے دراصل یہ نظم ایجاز و اختصار کا نمونہ ہے جو تمثیلی انداز میں لکھی گئی ہے اور فلسفہ کے بنیادی مسائل اس میں بیان کئے گئے ہیں ۔شاعری میں فکر وفن دونوں میں ہم آہنگی ہو تو اثر آفرینی قدرتی طور سے پیدا ہو جاتی ہے افکار کی حیثیت تو اپنی جگہ مسلم ہے مگر اگر طرز ادا دلکش نہیں تو بے معنی ہے ۔اقبال ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں ۔

"شعر کا تخلیقی یا ایقاظی اثر محض اس کے معانی ومطالب کی وجہ سے نہیں بلکہ اس میں شعر کی زبان اور زبان کے الفاظ کی صورت اور طرز ادا کو بھی بڑا دخل ہے (۱۱)

مگر پھر آگے چل کر اس بات کا اظہار کرتے ہیں کہ دخل ہی سب کچھ نہیں ہوتا بہر صورت احساس ومعنی کے مقابلے میں اس کی حیثیت ثانوی رہ جاتی ہے ۔

ڈاکٹر عبدالوہاب عزام پیام مشرق کے بارے میں یوں رائے دیتے ہیں کہ :

" پیام مشرق اقسام خمسہ پر مشتمل ہے ۔لالہ طور، افکار، مے باقی ،نقش فرنگ ،خردہ ،قسم اول رباعیات ہیں ،قسم دوم مختلف الوزن اور قوافی ،قسم سوم مے باقی وہ منظومات ہیں جن کو فارسی میں غزلیات کے نام سے یاد کیا

جاتا ہے۔۔۔غرض کے پام مشرق معانی وصور کا ایسا نمونہ ہے جس کے اسرار و رموز کا ادراک ایک ایسا شخص جو شعر فارسی سے مانوس ہو اور ساتھ ہی ساتھ شعر اسلامی سے بھی شغف رکھتا ہو بمقابلہ ایک عربی دان کے بدرجہ احسن کرسکتا ہے۔" (۱۲)

بہر حال اقبال اپنے فن کی تشکیل میں اس مرصع سازی سے کبھی غافل نہیں رہے لیکن فارسی ترکیبوں اور بندشوں کے استعمال کے باوجود اقبال کے کلام کا رجحان براہ راست انداز بیان پر رہا ہے۔

انتخاب الفاظ میں اقبال کا جواب نہیں لیکن ارتباط حرف و معنی کا کمال بھی اس وقت حاصل ہوسکتا ہے جب کے الفاظ کو استعمال کرنے والا فنکار الفاظ کے استعمال سے واقف ہو مثلا مرزا غالب کی شاعری دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ غالب کا کمال لفظ اور ترکیب میں ظاہر ہوتا ہے۔جبکہ اقبال کے ہاں ایسا نہیں ہے اس کی نظموں میں صوتی آہنگ کی کمی نہیں کسی نظم کو لے لیں پڑھتے ہوئے عجیب وغریب نغمگی کا احساس ہوگا۔ایک بند ملاحظہ فرمائیں۔

گرمی کارزار ها خامی پخته کار ها

تاج و سریر و دار ها خواری شهریار ها

بازی روزگار ها، می نگریم و می رویم(۱۳)

اس میں موسیقیت اور سلاست سے اثر آفرینی پیدا ہوگئی ہے اور آنکھوں کے سامنے تمام واقعات رونما ہوتے محسوس ہوتے ہیں۔اقبال کا اہنگ دراصل وہ موسیقی ہے جو خاموش پڑھنے سے نمایاں ہو جسے ساز یا ترنم کے بغیر گنگنایا جاسکے۔جب آپ اس کو پڑھیں تو الفاظ آپ کو خود بخود سنائی دیں کبھی بلند کبھی پست، کبھی تیز اور کبھی مدہم، ان کی کئی شکلیں آپ کے داخلی سامعے پر اثر انداز ہوں۔اگر ان تمام باتوں کو سامنے رکھ کر اقبال کی ان نظموں کا جائزہ لیا جائے جن میں ہیت کے اعتبار سے نئے تجربے کئے گئے ہیں تو یہ تمام خصوصیات ان نظموں میں آپ کو نظر آئیں گی۔خواہ وہ سرود انجم ہو یا کرمک شب تاب، حدی ہو یا شبنم، تمام نظمیں آہنگ کے باوجود معنی سے بھرپور ہیں ویسے بھی اگر معنی نہ ہوں تو

شاعری بیکار ہے۔اقبال کی شاعری تو مقصدیت کی شاعری ہے۔

اس کے علاوہ ان نظموں میں وحدت فکر اور تسلسل پایا جاتا ہے۔دیگر پیام مشرق کی نظموں کے مقابلے میں جوکہ روایتی انداز میں لکھی گئی ہیں نسبتاً طویل ہونے کے وحدت فکر پائی جاتی ہے۔

گوپی چند نارنگ کے نزدیک۔

"کلیدی لفظ کی قوت اس کی تکرار میں ہے بشرطیکہ تکرار میں معنویت بھی وسیع تر ہوتی جائے یا بدلتی جائے۔مجرو تکرار بھی شاعر کی دلچسپی اور اس کے ذہن کی جہت کی طرف اشارہ کرتی ہے یعنی یہ بات کہ کوئی کلیدی لفظ کتنی بار استعمال ہوا ہے،ہمیں سوچنے میں مدد دیتی ہے کہ شاعر کو اس لفظ کی معنویتوں سے کتنی دلچسپی ہے اور بالواسطہ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کی علاماتی یا استعاراتی اظہار میں شدت اب کتنی ہے۔" (۱۴)

مندرجہ بالا نظریہ کو سامنے رکھ کر دیکھیں تو سرود انجم میں می نگریم و می رویم سے حرکت و عمل کا تصور پیدا ہوتا ہے۔تیز ترک گام زن منزل ما دور نیست نظم ہدی میں جہد مسلسل تندی و تیزی کی طرف رجحان ہے۔ویسے بھی اس نظم میں تشبیہات کے استعمال سے معنویت کے ساتھ ساتھ آفرینی کا عنصر نمایاں ہے۔

حاصل کلام : علامہ اقبال نے اگرچہ فارسی شعرا کو پڑھا اور ان سے فنی طور متاثر بھی ہوئے لیکن ان کا اپنا خاص انداز ہے۔اپنے پیام حرکت کو اپنے ہی انداز میں قاری تک پہنچایا ہے جس سے کلام میں چاشنی اور دلکشی کا عنصر پیدا ہوا ہے۔

حوالہ جات

۱۔اقبال محمد،دیباچہ پیام مشرق،ص ۷

۲۔اقبال محمد،پیام مشرق،ص ۲۵

۳۔عبدالشکور احسن،ڈاکٹر۔اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ،ص ۸۵

۴۔اقبال محمد،پیام مشرق،ص ۹۳

۵۔ابوالاعجاز حفیظ صدیقی،اوزان اقبال،ص ۵۳

۶۔اقبال،محمد،پیام مشرق، ص۹۹

۷۔محمد ریاض،ڈاکٹر،اقبال اور فارسی شعراء،اقبال اکادمی،ص

۸۔اقبال،محمد،پیام مشرق،ص ۱۰۷

۹۔حمان،ص ۱۱۱

۱۰۔حمان،ص ۱۱۹

۱۱۔اقبال نامہ،مرتبہ چراغ حسن حسرت،حصہ دوم ص ۱۷۳،

۱۲۔ سلیم اختر،ڈاکٹر،(مرتبہ)اقبال ممدوح عالم،ص ۳۸

۱۳۔اقبال،محمد،پیام مشرق،ص ۹۹

۱۴۔گوپی چند نارنگ،اقبال کا فن،ص ۱۹۶

کتابیات

عبدالشکور احسن،ڈاکٹر،اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ،اقبال اکادمی لاہور،طبع اول،۱۹۷۷م

ابوالاعجاز حفیظ صدیقی،اوزان اقبال،ایڈسنز،لاہور،۱۹۳۸م

اقبال،محمد،پیام مشرق،شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور،۱۹۷۸م

سلیم اختر،ڈاکٹر،(مرتبہ)اقبال ممدوح عالم،بزم اقبال لاہور،۱۹۸۷م

گوپی چند نارنگ،اقبال کا فن،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاوس،دہلی ۱۹۹۸م

محمد ریاض،ڈاکٹر،اقبال ارفارسی شعرا،اقبال اکادمی لاہور،۱۹۸۸م

اقبال نامہ،مرتبہ چراغ حسن حسرت،تاج کمپنی،لاہور،حصہ دوم،س ن

***

کلامِ اقبال (فارسی) میں مسلمانوں کی ثقافت و اقدار کی بقا اور عصرِ حاضر

*محمد طاہر بوستان خان **ڈاکٹر سائرہ ارشاد

Survival of contemporary Muslims culture and values in Iqbal's Persian poetry

Muhammad Tahir Bostan/ Dr. Saira Arshad

Iqbal's ideas on every aspect of life gain a universal dimension, as they confirm to the traditional structures of other Islamic countries that are going through a similar historical process. The philosophy he offers is a rebirth of philosophy for the Islamic world, which is experiencing dissolution, corruption, and alienation in every field. Iqbal had a great interest in practical life.Iqbal is also famous for aloofness from life. Better part of Iqbal's life was his real self in his educational discussions.

* شعبۂ اُردو کیڈٹ کالج سوات ** گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی بہاولپور

Keywords:

Iqbal, pyam-e-Mashriq, imagination, she,er

کل ضابطۂ حیات فکرِ اقبال کی جہتوں میں عیاں ہے۔ہمیں ہمارے سماجی اور فکری رشتوں کی مضبوطی کے لیے اقبال کے افکار کو عملی طور پر اپنانے کی ضرورت ہے۔آج ہر طرف سے جو اختلاف کیآگ بھڑکائی جارہی ہے،جس نے پوری دنیا کے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے اور جس سے ہر شعبہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا تو ایسے میں اقبال کہتے ہیں۔

خیز و قانونِ اخوت ساز دہ جام ِ صہبائ محبت باز دہ

اقبال کے حوالے سے پروفیسر عبدالحق لکھتے ہیں۔

"اقبال کی تمام تحریریں اپنے عہد و احساس کی تاریخ ہیں۔اقبال کے کلام کی ایک بڑی خوبی یہی ہے کہ انہوں نے عصری محسوسات یا رونما ہونے والے واقعات کو شعری اظہار بنادیا ہے۔"(۱)

اس لیے یہ کہنا بجا ہے کہ اقبال کے متعدد اشعار سماجی حقیقت نگاری کے حوالے سے عصری تقاضوں کے آئینہ دار ہیں۔خود ان کی زندگی قناعت،سادگی اور محبت سے عبارت ہے۔اس مقالے میں بتایا جارہا ہے کہ اقبال کے افکار عہدِ حاضر کے لیے کتنی اہمیت کے حامل ہیں۔اقبال کہتے ہیں۔

خود فرود آ ازشتر مثل عمر ﷺ الحذراز منتِ غیر الحذ(۲)

یعنی تو حضرت عمر فاروقؓ کی طرح خود اونٹ سے اُتر کر اپنا کوڑا اٹھا۔اور دوسروں کے احسان سے بچ۔

علامہ اقبال کا یہ شعر عصرِ حاضر کے انسانوں کے لیے ایک سبق کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آج ہر انسان دوسروں کی مدد کا محتاج نظر آتا ہے،حالاں کہ اسلام نے اپنی مدد آپ کا سبق دیا ہے۔اس لیے اقبال کہتے ہیں کہ اگر حضرت عمر فاروقؓ نے خود اونٹ سے اتر کر اپنا کوڑا اٹھایا تو اس سے بڑھ کر اور سبق آج کے مسلمانوں کے لیے کیا ہوسکتا ہے۔دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

زور تن کا هید و خوف ِجاں فزودہ　　خوفِ جاں سرمایہ همت ربود(۳)

مطلب یہ کہ جسم کی قوت وطاقت گھٹ گئی اور جان کا خوف بڑھ گیا۔ جان کے اس خوف نے ہمت اور دلیری کی پونجی کو بھی ختم کر دیا۔

یہاں اقبال مسلمانوں پر یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ایک وقت ایسا تھا جب مسلمانوں کو اپنی جان کی فکر نہیں تھی ۔زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ کفر اور الحاد اتنا بڑھ گیا کہ ایک عام مسلمان کی دلیری ختم ہوگئی اور بات یہاں تک آپہنچی کہ وہ موت سے ڈرنے لگے ۔اگر بغور دیکھا جائے تو آج کے حالات کیا ہیں، کیا کوئی مسلمان جہاد کے لیے تیار ہے، کیا اس میں صحابہ جیسی صفات موجود ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں ۔اس لیے اقبال نے آج کے نام نہاد مسلمان پر طنز کیا ہے۔

اقبال کے کلام سے فکری حقائق نکال کر انہیں مربوط شکل دے کر پیش کرنا واقعی ایک مشکل کام ہے۔ان کے کلام میں الجھاؤ نہیں فکر زیادہ ہے۔وہ مسلمانوں سے مخاطب ہیں۔کہتے ہیں۔

سر خوش از دریوزہ میخانہ ها　　جلوہ دزدِ روزن کاشانہ ها(۴)

یعنی میخانوں سے مانگی ہوئی بھیک ہی سے وہ سرمست ہے۔وہ گھروں کے سوراخوں میں سے محبوب کا نظارہ چرانے والا ہے۔

اقبال نے یورپ میں وقت گزارا تھا اس لیے وہ تقریباً تمام دنیا کے لوگوں کے نباض ہیں، اس لیے تو کہتے ہیں کہ اے مسلمان تم دوسروں کے سہارے کب تک جیو گے؟ کب تک تم ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر دوسروں کا تماشا کرو گے۔ غیروں سے ملنے والی مدد سے اگر تم خود کو بڑا سمجھتے ہو تو سمجھو کہ اس سے تمہاری عزت گھٹتی ہے۔

اقبال عصرِ حاضر کی ناانصافیوں اور اس قوم کی حالت پر افسوس کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اے انسان! آج دیگر قوموں کی نام نہاد ترقی کو دیکھ کر تو ان کی تعریف میں لگا ہے لیکن یاد رکھ کہ اصل میں ان کی یہ ترقی نہیں بل کہ تنزل ہے۔ ان کی یہ ترقی تمہیں ہر طرح سے کمزور کرتا ہے۔اس لیے تم اُٹھو اور اپنا مقام پہچانو۔ان اقوام کو اپنی استعداد دکھاؤ۔

اپنے کارناموں کے ذریعے دوسری اقوام کو حیران کر۔اس حوالے سے ان کہنا کچھ یوں ہے۔

شورشِ اقوام را خاموش کن نغمه خود را بهشتِ گوش کن(۵)

یعنی دنیا کی قوموں نے جو ہنگامہ برپا کر رکھا ہے اسے ختم کر دے۔اپنے نغمے کو انسانوں کی سماعت کے لیے جنت کی سی تازگی والا بنا دے۔

علامہ اقبال ابن خلدون کے فلسفہ تاریخ و عمرانیات سے بھی متفق ہیں۔مگر بقول ڈاکٹر سید عبداللہ

''اب ضرورت اس امر کی ہے کہ اس حوالہ و استناد کی قدر و قیمت اور طول و عرض کا کچھ جائزہ لیا جائے اور بتا یا جائے کہ عصرِ جدید کے علمی نتائج و اصولیات کے ماحول میں آنکھ کھولنے والے اور اس کا مشاہدہ و تجزیہ کرنے والے'' ماڈرن ''مسلم فلسفی کے تصورات و نظریات قدیم مبصر و حکیم ابن خلدون سے کن کن امور میں مماثل یا مختلف ہیں۔''(۶)

اقبال کہتے ہیں۔

چراغِ خویش برا فرو ختم که دست کلیم درین زمانه نهان زیر آستین کرند(۷)

میں نے اپنا چراغ روشن کیا اس لیے کہ آج کے دَور میں دست کلیمؑ کو قدرت نے آستین میں کر دیا ہے۔ مطلب یہ کہ معجزات کا زمانہ اب نہیں رہا،اب تو ہمیں اپنے علوم و فنون اور سائنس وغیرہ سے اس کائنات کی تسخیر کا سامان نبیؑ کی تعلیمات کی روشنی میں کرنا ہے۔

اقبال انسانوں کے مابین مقابلہ کرنے کے خواہاں ہیں۔اس لیے کہ انسان اپنے اندر تہذیب و تمدن اور شائستگی پیدا کر سکیں۔اس لیے اقبال آج کے جوان سے مخاطب ہیں۔کہتے ہیں۔

سنگ شو ای همچو گل نازک بدن تاشوی بنیاد دیوارِ چمن(۸)

یعنی تیرا بدن پھول کی طرح نرم و نازک ہے۔سخت بن جا تا کہ تو چمن کی دیوار کی بنیاد بن سکے۔

شاعرعہدِ حاضر کے انسان سے مخاطب ہیں۔ کہتے ہیں کہ اے انسان! تمہارا بدن نرم و نازک بن گیا ہے کیوں کہ تم حرکت نہیں کرتے بس تیار خور بنے بیٹھے ہو۔ تمہیں چاہیے کہ تم سخت سے سخت کام کرو تا کہ تم اپنے ملک اور اپنی قوم کے صحیح معنوں میں رکھوالے بن سکو۔ اقبال ایک بدنصیب قوم جو دوسروں کی تدبیر کا شکار ہو، کے بارے میں لکھتے ہیں۔

وائی قومی کشتہ ء تدبیر غیر کارِاو تخریبِ خود، تعمیر غیر(۹)

مطلب یہ کہ وہ قوم بڑی ہی بدنصیب ہے جو دوسروں کی تدبیر کا شکار ہو۔ ایسی قوم بے خبری میں اپنی تباہی اپنے ہی ہاتھوں کرتی ہے اور دوسروں کی تعمیر کرتی ہے۔

مسلمانوں کے وجود اجتماعی کا ضعیف عنصر مرکزیت کا فقدان ہے۔ ان میں نسلیت اور قبائلیت پائی جاتی ہے جسے دورِ حاضر کی بڑی مہلک بیماری کہہ سکتے ہیں۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ سیاسی عدم مرکزیت کے ساتھ مرکزی فرقہ بندی لڑائیوں اور حتیٰ کہ خونریزیوں کا باعث بنتی ہے۔ اس لیے اقبال کی نظر میں یہ وجوہات ہیں تباہی ہے۔

جس طرح خان عبدالصمد میر لکھتے ہیں۔

> ''خوددار اور غیور افراد و اقوام دوسروں کا دست نگر ہونے کی بجائے اپنی محنت اور ہمت سے پیدا کیا ہوا کھاتے پیتے اور استعمال کرتے ہیں، خود بھی کھاتے ہیں اور دوسرے معذوروں کو بھی کھلاتے ہیں۔''(۱۰)

تاندانی نکتہ اکل حلال بر جماعت زیستن گردود و بال(۱۱)

جب تک تو حلال کمائی کا نکتہ نہ سمجھے، تیری زندگی معاشرے کے لیے وبال ہے۔

علامہ اقبال کی زندگی قناعت، دیانت اور سادگی سے گزری۔ انہوں نے وکالت کرتے ہوئے کبھی چھے یا سات سو روپیہ سے زیادہ کے کیس لینے سے ہمیشہ انکار کر دیا، اگر کوئی زیادہ اصرار کرتا تو کہتے کہ میری گزر اوقات کا بندوبست ہوگیا ہے اور اس کے باوجود کوئی ضد کرتا تو اسے اگلے مہینے کے شروع میں آنے کا کہہ دیتے۔ یہ ہوتی ہے

حلال روزی ،صبر اور دیے پر قناعت کی مثال ۔اس لیے اقبال اوپر مذکورہ شعر میں مسلمانوں کو حلال کی کمائی کا مشورہ دیتے ہیں۔

اقبال کہتے ہیں۔

اگر در دل جهانی تازه ی داری برون آور

که افرنگ از جراحت هائ پنهان بسمل افتاداست (۱۲)

یعنی اگر تیرے دل میں کوئی نئی دنیا ہے تو اسے باہر نکال ،اس لیے کہ اہل ِ یورپ زخموں کا علاج کرتے کرتے خود زخمی ہو گئے ہیں ۔تم مسلمان ایسا کوئی کام کر جس سے عہد ِحاضر کے انسانوں کے زخموں کا جو شیطان کے زخم خوردہ ہیں، کا علاج ہو سکے۔ یہاں شاعر یورپی علوم وفنون سے فساد اور بگاڑ کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ مومن ہی اس فساد کو ختم کر سکتا ہے۔

مغرب کے سائنسی علوم اور مادّی نقطہ نظر کا یہ نتیجہ نکلا کہ مغربی حاکم محض حواس ،عقل اور علمی تجربے پر عقیدہ رکھنے لگے جس کے نتیجے میں وہ کئی اہم اعتقادات سے منکر ہوئے ۔ان کے مقابلے میں مسلمان حاکم اور صوفیاء ہیں جو کشف اور وجدانی علم ہی کو ذریعہ سمجھتے ہیں ۔اقبال نے مغربی طرز استدلال سے ثابت کیا ہے کہ طبیعیات اور محسوسات کا علم ،کل حقیقت نہیں ۔ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں۔

''اقبال کی نظر میں وہ علوم جو شعور خودی کو کمزور کریں ،مذموم ہیں جو مستحکم کریں محمود ہیں ۔۔۔اور شعورِ خودی میں فردی اور اجتماعی دونوں نوعیتیں شامل ہیں ،اسی لیے ان کی رائے میں علوم ِدینی کے ساتھ ساتھ علوم عمرانی بھی ضروری ہیں۔''(۱۳)

خودی اور اقبال ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں ۔خودی کے حوالے سے اقبال کہتے ہیں۔

وانمو دن خویش را خوئ خودی است خفته در هر ذره نیر وی خودی است (۱۴)

مطلب یہ کہ اپنے آپ کو نمایاں کرنا خودی کی عادت ہے۔ ہر ذرّے میں خودی کی قوت سوئی ہوئی ہے۔
کائنات ایک آئینہ ہے اور اس کا اصل جوہر انسان ہے۔

یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ اقبال کی خودی و بے خودی کی حدود کیا ہیں۔ ان کی خودی کے تصور میں عشق اور وجدان کا پہلو اور انسان کا خدا کی ذات پر چھا جانے کا خیال۔ صوفیوں کا کوئی نظریہ خودی نہیں۔ تصوف کے نزدیک بھی ہر شے کی خودی ہے۔ اقبال کے نزدیک زندگی کی غایتا انسان کا خدا کے قریب ہونا ہے تا آنکہ حیات یا خودی خدا کو اپنے اندر جذب کر لے۔

زندگی از طوف ِ دیگر رستن است خویش را بیت الحرم دانستن است(۱۵)

یعنی زندگی دوسروں کے گرد چکر لگانے سے نجات پانے کا نام ہے۔ یہ اپنی ذات کو بیت الحرم جاننے کا نام ہے تا کہ لوگ تیرے ارد گرد چکر لگائیں۔

یہاں اقبال اس اہم نکتے کی وضاحت کرتے ہیں کہ انسان اپنے آپ کو پہچانے۔ جس دن اس کو انا کی پہچان ہوگئی اس دن اس کی نئی زندگی شروع ہو جائے گی۔ اقبال اپنے ہم عصروں میں ہمہ گیر دائمی انقلاب کے داعی تھے۔ آپ کی یہ حکیمانہ تدبیر تھی کہ انسان میں خودی پیدا ہو اور اس کے ذریعے وہ اپنی ذات کی پہچان کرائے۔ حالاتِ حاضرہ کی تصویر اقبال نے بہت پہلے پیش کی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

رہ و رسم فرمان رویان شناسم خزاں بر سر بام و یوسف بچا ھی(۱۶)

میں فرمان رواؤں کے طور طریقوں کو جانتا ہوں۔ ان سے گدھے تو چھت پر ہیں اور یوسفؑ جیسی شخصیت کنوئیں میں ہے۔ حکمران اپنے چاپلوسوں اور نااہلوں کو تو خوب نوازتے ہیں جب کہ اہل اور لائق انسانوں کی قدر کرنے کی بجائے انہیں خوار کرتے ہیں۔

غلامی سے نفرت علامہ اقبال کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ اقبال نوع انسان کو غلامی سے چھڑا کر آزادی کی کھلی

فضا کا باسی بنانا چاہتا ہے ۔جب ایک قوم ذہنی طور پر غلام بن جاتی ہے تو وہ ہر طرح سے مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے۔

یا بکش در سینه من آرزوئ انقلاب یاد گر گون کن نهاد این زمان و این زمین

یا چنان کن یا چنین(۱۷)

یا تو میرے سینے میں انقلاب کی جو آرزو ہے، اسے ختم کر دے یا پھر اس زمین اور زمانے کی فطرت بدل دے ۔یعنی آج کے دَور میں جو انسانیت سے دُور ہے، زبردست تبدیلی کی ضرورت ہے جس کی میں آرزو لیے ہوں، اگر میری یہ آرزو پوری نہیں ہو پاتی تو پھر آج کے دَور ہی کو بدل ڈال۔

اقبال مسلمانوں میں بیداری پیدا کرنے کے لیے انہیں ترغیب دیتے ہیں کہ رکاوٹوں اور مزاحمتوں کو پسِ پشت ڈال کر میدانِ عمل میں نکل آئیں ۔یہی وجہ ہے کہ ان کے افکار سے غیر مسلم بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے ۔عصرِ حاضر میں انسانوں کی دورنگی کے حوالے سے اقبال یوں کہتے ہیں۔

باین بی رنگی جوهر ازو نیرنگ می ریزد کلیمی بین که هم پیغمبری هم ساحری کرده(۱۸)

یعنی ایسا شخص جو ثابت قدم نہیں وہ ایسے جوہر کی مانند ہے جو بے رنگ ہے، مگر اس بے رنگی کے باوجود اس میں سے رنگ اور عجائبات برآمد ہو رہے ہیں۔ یہ شخص ایسے کلیم کی مانند ہے جو ایک طرف تو خدا سے ہم کلام ہے اور دوسری طرف ساحری میں ملوث ہے۔ یہ دورنگی آج کے مسلمان میں عام ہے۔

اقبال کے نزدیک جو قوم آج اپنی تقدیر سنوارنے کی کوشش نہیں کرتی توکل کے لیے ہنگاموں کو دعوت دیتی ہے۔ یہ کیسی دورنگی ہے کہ آج کا انسان ایک طرف اللہ کو مانتا ہے اور دوسری طرف جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہے۔

فرد را ربط جماعت رحمت است جوهر اورا کمال از ملت است(۱۹)

فرد کے لیے جماعت سے ربط پیدا کرنا رحمت کا باعث ہے۔اس کے تمام جوہروں کو ملت ہی کی بدولت کمال حاصل ہوتا ہے۔

علامہ اقبال نے اُردو میں بھی کہا ہے۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں　　موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

اقبال کہتے ہیں کہ فرد اور قوم ایک دوسرے کے لیے آئینے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ان دونوں کا تعلق کہکشاں اور اختر کا ہے۔فرد ملت کی بنا پر عزت حاصل کرتا ہے۔ملت افراد کے مل جانے سے بنتی ہے۔یعنی اقبال نے یہاں بھی اتفاق کا درس دیا ہے جو آج کل کے لیے بھی ہے۔اگر آج بھی قوم اقبال ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو جائے تو ایک متوازن معاشرے کا قیام عمل میں آسکتا ہے۔اقبال انقلاب چاہتے ہیں،ایسا انقلاب جس میں ہر کوئی جنونیت کی حد تک شامل ہو۔اس حوالے سے کہتے ہیں۔

دام زگیسوان بدوش زحمت گلستان بری　　صید چرانمی کنی طائر بام خویش را(۲۰)

مطلب یہ کہ تو اپنی زلفوں کے جال کندھوں پر پھیلا کر شکار کے لیے باغ میں جانے کی تکلیف کرتا ہے۔تو اپنے مکان کی چھت پر بیٹھے ہوئے پرندے کا شکار کیوں نہیں کرتا۔تیرے عاشق تو کب سے تیری نگاہِ ناز کا تیر کھانے کو تیار بیٹھے ہیں۔

یہاں شاعر نے اس ملک کے اندر کے وسائل کے حوالے سے لکھا ہے کہتے ہیں کہ اس ملک کے اندرونی ذرائع کیا کم ہیں کہ تم دوسرے ممالک میں جا کر روزی کی تلاش میں ہو۔یہاں یہ بھی واضح کرتے ہیں کہ اس ملک کے وسائل پر بااختیار لوگوں نے قبضہ کر رکھا ہے۔شاعر ایک قسم کے انقلاب کے خواہاں ہیں۔

خواجه از خون رگِ مزدور ساز دلعل ناب　　از جفای ده خدایاں کشت دهقاناں خراب

انقلاب!(۲۱)

یعنی صنعت کار مزدوروں کی رگوں کے خون سے خالص لعل بنا رہا ہے جب کہ گاؤں کے زمینداروں کے ظلم سے کسانوں کی کھیتی اجڑ گئی ہے۔گویا مزدور کارخانے میں جو سخت محنت کرتے ہیں،اس کا سارا فائدہ کارخانے کا مالک اٹھا

رہا ہے ۔ یوں کسان محنت کرتے ہیں اور گاؤں کے چودھری عیش وعشرت میں کھوئے رہتے ہیں ۔ یہ سب کچھ انقلاب ہی کے ذریعے بدل دینا چاہیے ۔

اس حوالے سے استعماریت کے بارے میں اقبال کے بے شمار اشعار موجود ہیں ۔اقبال معاشرے میں ہر فرد کو اس کا حق دینے کے حامی تھے ۔

> ''علامہ اقبال نے اپنے ساقی نامے میں ممولے کو شہباز سے لڑانے کی بات اپنے لاشعور میں چھپی ایک ایسی خواہش کے اظہار کے طور پر کی تھی جس کے پورے ہونے کا انتظار وہ اپنی زندگی کی آخری سانس تک کرتے رہے، مگر ان کا اس خواہش کی تکمیل کا باب ایرانی قوم نے ایک ایسے اسلامی انقالاب کی صورت میں رقم کیا، جس کی کامیابی پر آج بھی امریکہ اور اس کے مغربی اتحادی تلملا رہے ہیں ۔اس انقلاب کی صورت میں امریکہ کو اپنے عالمی منصوبوں اور قوموں پر حکومت کے ارادوں کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑی اور اس کا اقوامِ عالم پر قبضے کا خواب ادھورا رہ گیا۔''(۲۲)

انسانوں کے آپس کے قطع تعلق نے اقبال کو پریشان کر رکھا ہے ۔اس لیے وہ قدرے زور دے کر کہتے ہیں ۔

مردمی اندر جہاں افسانہ شد　　آدمی از آدمی بیگانہ شد(۲۳)

اس دنیا میں آدمیت افسانہ بن گئی ۔ یوں انسان دوسرے انسان سے بیگانہ ہوتا چلا گیا۔

اقبال کے افکار آج بھی زندہ ہیں ۔کلامِ اقبال میں انسان کے موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے بل کہ اگر یہ کہا جائے کہ کلامِ اقبال کا محور ہی انسان ہے تو بے جا نہ ہو گا۔ یوں ان کی خدا شناسی بھی انسان شناسی ہی سے متعلق ہے ۔اقبال نے پسندیدہ انسانوں کے حقیقی اور زندہ نمونے بھی ہمارے سامنے رکھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے عصرِ حاضر کے حوالے سے انسانوں کی آپس کی ناچاقی کا ذکر بھی کیا ہے ۔اقبال انسانوں ہی کے ذریعے ایک نئی دنیا کی آرزومند ہیں ۔

مسلماناں بخویشاں در ستیزند بجز نقشِ دوئی بردل نہ ریزند(۲۴)

آج کا مسلمان اپنوں سے لڑنے والا ہے۔وہ فرقہ پرستی کے سوا کچھ اور نہیں بنا رہے۔

اقبال کی نظر میں اسلامی وحدت کے تین بڑے دشمن ہیں۔وطنیت کا مغربی تصور،نسلی ولسّانی بنیادوں پر قائم شدہ قومیت اور فرقہ بندی۔یورپ میں تو یہی خرابیاں عام ہیں مگر بدقسمتی یہ ہے کہ وہ مسلمان جو کلمہ پڑھتے ہیں اور دینِ اسلام کا پرچار بھی کرتے ہیں،ان خرابیوں کے اصل ذمہ دار ہیں۔ہمارے ہاں کبھی شیعہ فسادات ہمارا جینا حرام کر دیتی ہیں تو کبھی دیگر گروہی فرقہ واریت کے ہاتھوں ایک دوسرے کا ناحق خون بہاتے چلے آرہے ہیں۔عصرِ حاضر کے حوالے سے اقبال کے افکار مسلمانوں کے لیے بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

دور حاضر تر فردش و پر فن است کاوانش نقد دیں را رھزن است

کور ویزداں ناشناس ادراک او ناکساں زنجیری پیچاک او

چشم او بیباک و نا پرواستی پنجہ مژگان او گیراستی

صید او زآزاد خواند خویش را کشتہ او زندہ داند خویش را(۲۵)

اقبال کہتے ہیں کہ اے مسلمان خاتون تجھے قدرت نے آئینِ حق کی نعمت کی امانت دار بنا دیا۔دورِ حاضر بڑا مکّار اور چالاک ہے۔اس کے قافلے میں دین کی متاع لوٹی جاتی ہے۔یہ اندھا ہے اور اس کا فہم خدا کو نہیں پہنچتا۔ حقائق نہ جاننے والے لوگ اس کی چکروں میں پڑ کر قیدی بن گئے ہیں۔اس دَور کی آنکھیں شوخ اور بے پردہ ہیں۔اس کی مژگاں کا پنجہ جہاں پڑ جائے گڑ جاتا ہے۔جو وجود اس کا شکار ہو جاتا ہے،وہ خود کو تو آزاد کہتا ہے لیکن حقیقت میں یہ آزادی نہیں۔

اقبال کی نظر میں ہر چند کہ فرد و اجتماع دونوں لازم و ملزوم ہیں۔یہ معاشرے کا سبب بنتے ہیں۔ان کے

نزدیک معاشرے کا قانون، قانون الٰہی کے مطابق ہونا چاہیے۔اقبال ایسے معاشرے کے خواہاں ہیں جو فلاحِ عامہ کا ضامن ہو۔وہ مسلمانوں کو ان کی علمی تاریخ سے آگاہ کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔اقبال کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی فتوحات دیارِ مغرب تک پھیلی اور عثمانی سلطنت نے چار پانچ صدیوں تک یورپ کی چھاتی پر مونگ دلی۔اس لیے وہ عصرِ حاضر کے مسلمان سے مخاطب ہیں کہ تم دوسروں کا شکار نہ ہو جانا، تم خود کو آزاد تصور تو کرتے ہو لیکن حقیقت میں یہ آزادی نہیں غلامی ہے۔

زر هزنان چمن انتقام لاله کشیم　　به بزم غنچه و گل طرح دیگر اندازیم

بطوف شمع جو پروانه زیستن تاکی　　زخویش ایں همه بیگانه زیستن تاکی(۲۶)

مطلب یہ کہ چمن کے لٹیروں سے گل لالہ کا انتقام لیں۔کلیوں اور پھولوں کی بزم کی نئی بنا ڈالیں۔پروانے کی طرح شمع کے طواف میں زندگی بسر کرنا کب تک۔اپنے آپ سے اس قدر لا پروا ہو کر کب تک۔اُٹھ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے، مشرق و مغرب میں تیرے دَور کا آغاز ہے۔

انسان سے متعلق علامہ اقبال کا تصور اصولی طور سے قرآنی ہے۔یہاں میں قرآن کی اس آیت کو مثال کے طور پر پیش کروں گا جس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو عمل کی طرف بلایا ہے۔ارشاد مبارکہ ہے۔

ترجمہ" بے شک آسمان اور زمین کی پیدائش اور رات کے بدل بدل کر آنے جانے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں خدا کو یاد کرتے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے اس مخلوق کو بے فائدہ (عبث) نہیں پیدا کیا۔تو پاک ہے، تو قیامت کے دن ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچائیو۔"(۲۷)

خیز و درکاشانه وحدت نشین　　ترکِ جلوت گوی و در خلوت نشین(۲۸)

ایک صلاحیتوں والا انسان گٹھیا لوگوں کے ساتھ رہ کر نااہل بن جاتا ہے۔اس کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔

اس کی فطرت اگر شعلہ بھی ہو تو وہ خس و خاشاک بن جاتی ہے۔

اقبال کا یہ شعر دورِ حاضر کی خوب ترجمانی کرتا ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ صلاحیتوں والے انسان دیگر نااہل لوگوں کے ساتھ مل جاتے ہیں، دیگر لوگوں کے ساتھ وہ صلاحیتیں نہیں ہوتیں تو وہ باکمال لوگوں پر بے جا تنقید کرتے ہیں اور یوں با صلاحیت لوگ ان کے شکنجے میں آ کر ناکارہ بن جاتے ہیں۔

مسلمان شرمسار از بی کلاهی است که دینش مرد و فقرش خانقاهی است(۲۹)

مسلمان دنیا میں اپنی بے وقعتی کی وجہ سے شرمندہ ہے کیوں کہ اس کا دین مردہ ہے اور اس کا فقر خانقاہی بے عمل ہے۔

حدیث شریف ہے۔ ترجمہ: تمہارا سب سے بڑا دشمن نفس ہے جو تمہارے پہلو میں ہے۔

اقبال کی شاعری میں بہتی ندی کی طرح بڑی دلکش تصاویر ملتی ہیں۔ وہ اوپر مذکورہ شعر میں مسلمانوں کو یہ یقین دلانا چاہتا ہے کہ وہ اپنے دین کو بھول کر شرمندہ ہیں۔ فرنگ نے اپنے مخصوص تصورِ حیات کے تحت عمل کے جو دائرے اپنے لیے مختص کیے ہیں بدقسمتی سے مسلمانوں بھی اپنے لیے دین سے منحرف ہو کر کئی راستے اختیار کیے جن پر چل کر انہیں قدم پر شرمندگی اور رسوائی کے علاوہ کچھ بھی ہاتھ نہیں آیا۔ قومیت اور وطنیت کے حوالے سے اقبال کہتے ہیں۔

نه افغانیم و نی ترکو تتاریم چمن زادیم و ازیک شاخساریم

تمیز رنگ و بو برما حرام است که ما پرورده ی یک نو بهاریم(۳۰)

مطلب یہ کہ ہم نہ افغان ہیں نہ ترک اور نہ ہی تاتاری۔ ہم تو چمن کی آل ہیں اور ایک ہی شاخ سے ہیں۔ رنگ اور بو کی تفریق ہم پر حرام ہے کیوں کہ ہم ایک ہی اسلام کے پالے ہوئے ہیں۔

افغانستان کے حالات کو دیکھ کر اقبال کے یہ اشعار ان کی پیشن گوئیاں تھیں۔ ان دونوں ممالک کے باشندے ایک دوسرے کے ساتھ یک جہتی کا اظہار ایسے انداز میں کرتے ہیں جس سے آپس میں نفرت پھیلتی ہے۔ ان ممالک کے حالاتِ حاضرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ افغانستان پر مسلط جنگ میں پاکستانی عوام بھی جھانکتے ہیں جو پاکستان

کلیبقا اور سالمیّت کے لیے باعثِ خطرہ ہے ۔اس لیے اقبال نے پہلے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ ہم مسلمانوں کو رنگ ونسل علاقے کی بنیاد پر باہم نہیں لڑنا چاہیے ۔

دشنہ زن در پیکر این کائنات　　در شکم دارد گھر چون سومنات

لعل ناب اندر بدخشان تو ہست　　برق سینا در قھستان توھست(۳۱)

اس کائنات کے جسم میں خنجر اتار۔سومنات کی طرح یہ بھی اپنی پیٹ کے اندر بہت سے گوہر رکھتی ہے ۔اگر تجھ میں تڑپ ہے تو علم اشیاء کی بدولت کائنات میں چھپے ہوئے خزانوں کو دریافت کر۔تیرے بدخشاں کے اندر قیمتی لعل ہیں۔تیرے پہاڑوں میں سینا کی بجلی ہے ۔مطلب یہ کہ تیرا ملک ہر قسم کے وسائل سے بھرا پڑا ہے جن سے فائدہ اٹھانا تمہارا کام ہے ۔

اقبال ان اشعار میں وطن کے باصلاحیت لوگوں کو عمل کی دعوت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ تیرا وطن ہر قسم کی معدنیات سے بھرا ہے اور تو اتنا علم نہیں رکھتا کہ ان پوشیدہ خزانوں کو نکال لے ۔عصرِ حاضر کے حوالے سے اگر بغور دیکھا جائے تو اقبال نے بجا فرمایا ہے کہ یہ وطن قیمتی خزانوں سے مالا مال ہے لیکن بدقسمتی یہ ہے غیر لوگ ان خزانوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں ۔

اب وقت آ گیا ہے کہ اقبال کے مخلص لوگ آگے بڑھیں اور ان کی اصلی اور مکمل تعلیم و ہدایت ملک کے کونے کونے میں پھیلا دیں ورنہ وہ دن دُور نہیں جب اقبال کا صرف نام رہ جائے گا۔

حوالہ جات

ا۔فکرِ اقبال کے عصری حوالے۔ پروفیسر عبدالحق (جامعہ دہلی)۔ماہ نامہ اخبارِ اُردو، اسلام آباد، اپریل ۲۰۲۱ء،ص۔۱۰

۲۔علامہ اقبال۔اسرارخودی۔شرح کلیات اِقبال (فارسی)۔پروفیسر حمیداللہ شاہ ہاشمی۔مکتبہ دانیال، لاہور سن ندارد۔ص۔۴۹

۳۔علامہ اقبال۔اسرارخودی۔شرح کلیات اِقبال (فارسی)۔پروفیسرحمیداللہ شاہ ہاشمی۔مکتبہ دانیال،لاہورسن ندارد۔ص۔ ۵۱

۴۔علامہ اقبال۔اسرارخودی۔شرح کلیات اِقبال (فارسی)۔پروفیسرحمیداللہ شاہ ہاشمی۔مکتبہ دانیال،لاہورسن ندارد۔ص۔ ۷۰

۵۔علامہ اقبال۔اسرارخودی۔شرح کلیات اِقبال (فارسی)۔پروفیسرحمیداللہ شاہ ہاشمی۔مکتبہ دانیال،لاہورسن ندارد۔ص۔ ۸۲

۶۔اعجازِاقبال۔ڈاکٹرسیدعبداللہ۔اقبال اورابن خلدون۔سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۴ء۔ص۔ ۱۹۶

۷۔شرح زبورِعجم۔ڈاکٹرخواجہ حمید یزدانی۔سنگِ میل پبلی کیشنز۲۰۰۴ء لاہورص۔ ۱۵۷

۸۔علامہ اقبال۔اسرارخودی۔شرح کلیات اِقبال (فارسی)۔پروفیسرحمیداللہ شاہ ہاشمی۔مکتبہ دانیال،لاہورسن ندارد۔ص۔ ۸۶

۹۔تعلیماتِ خوشحال۔خان میرعبدالصمد۔عکاس پرنٹرز،خیبربازارپشاورمارچ۱۹۷۸ء۔ص۔ ۹۴

۱۰۔علامہ اقبال۔پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق۔مثنوی مسافر۔شرح کلیات اِقبال (فارسی)۔پروفیسرحمید اللہ شاہ ہاشمی۔مکتبہ دانیال،لاہورسن ندارد۔ص۔ ۹۰۰

۱۱۔علامہ اقبال۔پس چہ باید کرد اے اقوام مشرق۔مثنوی مسافر۔شرح کلیات اِقبال (فارسی)۔پروفیسرحمید اللہ شاہ ہاشمی۔مکتبہ دانیال،لاہورسن ندارد۔ص۔ ۹۲۳

۱۲۔شرح زبورِعجم۔ڈاکٹرخواجہ حمید یزدانی۔سنگِ میل پبلی کیشنز۲۰۰۴ء لاہورص۔ ۱۲۸

۱۳۔اعجازِاقبال۔ڈاکٹرسیدعبداللہ۔اقبال اورابن خلدون۔سنگِ میل پبلی کیشنز،لاہور،۲۰۰۴ء۔ص۔

۱۴۔علامہ اقبال۔اسرارخودی۔شرح کلیات اِقبال (فارسی)۔پروفیسرحمیداللہ شاہ ہاشمی۔مکتبہ دانیال،لاہورسن ندارد۔ص۔ ۳۳

۱۵۔علامہ اقبال۔اسرارخودی۔شرح کلیات اِقبال (فارسی)۔پروفیسرحمیداللہ شاہ ہاشمی۔مکتبہ دانیال،لاہورسن ندارد۔ص۔ ۱۱۲

۱۶۔شرح زبورِعجم۔ڈاکٹرخواجہ حمید یزدانی۔سنگِ میل پبلی کیشنز۲۰۰۴ء لاہورص۔ ۹۳

۱۷۔شرح زبورِعجم۔ڈاکٹرخواجہ حمید یزدانی۔سنگِ میل پبلی کیشنز۲۰۰۴ء لاہورص۔ ۳۳

۱۸۔علامہ اقبال۔زبورِعجم۔شرح کلیات اِقبال (فارسی)۔پروفیسرحمیداللہ شاہ ہاشمی۔مکتبہ دانیال،لاہورسن ندارد۔ص۔ ۵۱۰

۱۹۔علامہ اقبال۔رموزِبےخودی۔شرح کلیات اِقبال (فارسی)۔پروفیسرحمیداللہ شاہ ہاشمی۔مکتبہ دانیال،لاہورسن ندارد۔ص۔ ۱۴۴

۲۰۔علامہ اقبال۔زبورِعجم۔شرح کلیات اِقبال (فارسی)۔پروفیسرحمیداللہ شاہ ہاشمی۔مکتبہ دانیال،لاہورسن ندارد۔ص۔ ۴۹۴

۲۱۔شرح زبورِعجم۔ڈاکٹرخواجہ حمید یزدانی۔سنگِ میل پبلی کیشنز۲۰۰۴ء لاہورص۔ ۱۱۸

۲۲۔حسّاس ادارے۔بریگیڈئیر (ر) سیّد احمد ارشاد ترمذی (سابق چیف آف سٹاف ڈائریکٹریٹ جنرل آئی ایس آئی) دشت کویر کے جنات ِفکشن ہاؤس لاہور، حیدرآباد کراچی،۲۰۰۴ءص ۔ ۹۲

۲۳۔علامہ اقبال ۔رموزِ بےخودی ۔شرح کلیات اِقبال (فارسی)۔ پروفیسر حمیداللہ شاہ ہاشمی ۔مکتبہ دانیال،لاہور سن ندارد ۔ص ۔ ۱۸۷

۲۴۔علامہ اقبال ۔ارمغان حجاز ۔شرح کلیات اِقبال (فارسی)۔ پروفیسر حمیداللہ شاہ ہاشمی ۔مکتبہ دانیال،لاہور سن ندارد ۔ص ۔ ۱۰۳۴

۲۵۔علامہ اقبال ۔رموزِ بےخودی ۔شرح کلیات اِقبال (فارسی)۔ پروفیسر حمیداللہ شاہ ہاشمی ۔مکتبہ دانیال،لاہور سن ندارد ۔ص ۔ ۲۳۶

۲۶۔علامہ اقبال ۔ پیام مِشرق ۔شرح کلیات اِقبال (فارسی)۔ پروفیسر حمیداللہ شاہ ہاشمی ۔مکتبہ دانیال،لاہور سن ندارد ۔ص ۔ ۴۷۶

۲۷۔سورہ ال عمران آیت نمبر

۲۸۔علامہ اقبال ۔جاویدنامہ ۔شرح کلیات اِقبال (فارسی)۔ پروفیسر حمیداللہ شاہ ہاشمی ۔مکتبہ دانیال،لاہور سن ندارد ۔ص ۔ ۱۴۷

۲۹۔علامہ اقبال ۔ارمغان حجاز ۔شرح کلیات اِقبال (فارسی)۔ پروفیسر حمیداللہ شاہ ہاشمی ۔مکتبہ دانیال،لاہور سن ندارد ۔ص ۔ ۱۰۳۲

۳۰۔علامہ اقبال ۔ پیام مِشرق ۔شرح کلیات اِقبال (فارسی)۔ پروفیسر حمیداللہ شاہ ہاشمی ۔مکتبہ دانیال،لاہور سن ندارد ۔ص ۔ ۳۱۲

۳۱۔علامہ اقبال ۔ پیام مِشرق ۔شرح کلیات اِقبال (فارسی)۔ پروفیسر حمیداللہ شاہ ہاشمی ۔مکتبہ دانیال،لاہور سن ندارد ۔ص ۔ ۲۸۲

***

مثالی خواتین اور اقبال کی نظر میں حقیقتِ زن

*ڈاکٹر قمر بتول

Ideal women and realism in the eyes of Iqbal

Qamar Batool

Women have been playing a vital role in every field of our society. However whilst chasing progress they have forgotten their culture, heritage and civilization. They have made their own standards excluding hijab which was the sign of their modesty and integrity. In contrast, those women who wore hijab and adopted qualities of ideal women like patience, loyalty and spirit of sacrifice were seen equally successful. Our national poet Allama Iqbal has discussed in his poetry different aspects of women like hijab, education and their rights. This article highlights the actual role and qualities of ideal women in this era of a feminist race.

* اسسٹنٹ پروفیسر ایجوکیشن گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ اسلامیہ کالج برائے خواتین، لاہور کینٹ

Keywords:

Hazarat Muhammad(ﷺ),Hazrat Khadija, Bibi Fatima, Bibi Zainab, Fatimah bint Abdullah, Allama Iqbal.

عورت دنیا کی آبادی کا نصف سے زیادہ حصہ ہے۔انسانی زندگی کا کوئی بھی شعبہ خواہ زراعت ہو یا صنعت، تجارت ہو یا طب، انجینئرنگ ہو یا کمپیوٹر۔سب میں خواتین اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ یہاں تک کہ اب تو عورت نے ہوائی جہاز تک اُڑانا شروع کر دیا ہے۔اِس حدیث کی رو سے کہ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے'' عورتوں نے زندگی کے ہر شعبے میں ترقی کے لیے مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنا شروع کر دیا ہے۔

دورِحاضر میں خواتین جب ترقی کی دوڑ میں شامل ہوئیں تو اُس نے اپنا پردہ اور شرم وحیا کو پس پشت ڈال دیا۔ ہر ایک نے اپنا الگ معیار اور رول ماڈل بنانا شروع کر دیئے۔کسی نے ترقی یافتہ خواتین کو مثالی کہا۔تو اُن کا کردار اپنانے لگیں تو کسی نے ماڈلز، اداکاراؤں اور سوشل میڈیا سے تعلق رکھنے والی خواتین کو اپنا رول ماڈل سمجھنا شروع کر دیا۔ایک طبقہ ایسی خواتین کا بھی تھا۔جنہوں نے مذہبی خواتین کو اپنا آئیڈیل سمجھا۔انہوں نے اسلام کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنا لوہا منوایا اور کامیاب رہیں۔اس طرح سے اُن کا پردہ اور شرم وحیا بھی قائم رہا۔خاندانِ پیغمبر کی معتبر خواتین جن میں بی بی خدیجہؑ، بی بی فاطمۃ الزہراؑ، اور بی بی زینبؑ جیسی مثالی خواتین شامل ہیں اُن کے نقشِ قدم پر چلنے والی خواتین نے اپنے کردار کو بہتر بنایا۔اور کامیاب وکامران رہیں۔

محمد کاظم قزوینی بی بی فاطمۃ الزہراؑ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں :

> ''آپؑ نے سب سے زیادہ اہتمام عورت کی شرافت اور اس کی حیثیت و کرامت کی حفاظت پر زور دیا۔ آپؑ نے اپنی تبلیغ و ابلاغ اور درس و دروس میں اس امر پر زور دیا کہ عورت کے لیے حجاب لازمی ہے۔ حجاب ہی میں اس کی عفت، اس کی حیثیت، اِس کی منزلت کی بقا ہے''۔(۱)

عصرِ حاضر میں عورت نے پردے اور حجاب کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھنا شروع کر دیا ہے۔ اس لیے وہ اپنے اصل مقام اور حقیقت سے نا آشنا ہوتی جا رہی ہے۔

اقبال عورت کے پردے کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ :

''بہت رنگ بدلے سپہرِ بریں نے خدایا یہ دنیا جہاں تھی وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں میں نے وہ خلوت نشین ہے! یہ خلوت نشیں ہے!
ابھی تک ہے پردے میں اولادِ آدم کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے!''(۲)

آج دیکھا جائے تو بہت سے جرائم اور گناہ صرف خواتین کی بے پردگی، نمود و نمائش اور مخلوط تعلیم حاصل کرنے کی وجہ سے ہو رہے ہیں۔ عورت نے اسے روشن خیالی اور آزادیِ نسواں کا نام دے دیا ہے۔

عورتوں کو جاہلیت کے دور کی طرح سختی سے گھروں میں بند رکھنے کا تصور اسلام میں قطعی نہیں ملتا۔ بلکہ عورت کو عزت اور احترام ملا ہی اسلام آنے کے بعد ہے۔

مرتضیٰ مطہری اس سلسلے میں وضاحت کرتے ہیں کہ :

''اسلام نے عورت کے لیے جس پردے کو واجب قرار دیا ہے اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ وہ گھر سے باہر ہی نہ نکلے۔ اسلام عورت کو گھر میں بند کرنے کا حامی نہیں ہے۔ اسلام میں عورت کا پردہ یہ ہے کہ وہ مردوں کے ساتھ رہن سہن میں اپنے بدن کو ڈھانپے اور اس کی نمائش نہ کرے''۔(۳)

اسلام کی ان مثالی خواتین کو دیکھا جائے تو انہوں نے اپنی تمام تر ذمہ داریاں بطریق احسن سرانجام دیں۔ اور کامیاب رہیں۔ بی بی خدیجہؑ کا رسول پاکؐ کے ساتھ حسنِ سلوک اور محبت اس کی عملی صورت ہے۔ انہوں نے کاروبار بھی کیا۔ دینی تعلیمات کو پھیلانے میں نبی کریمؐ کے شانہ بشانہ مصروفِ عمل رہیں اور دِل و جان سے مال کی قربانی دینے میں بھی پیش پیش رہیں۔

محمد کاظم قزوینی رسول پاکؐ کے فرمان کا حوالہ دیتے ہیں کہ :

''مجھے کسی مال نے اِس قدر فائدہ نہیں دیا۔جس قدر خدیجہؑ کے مال نے مجھے فائدہ بخشا ہے''۔(۴)

ابراہیم امینی، ہشام کا حوالہ دیتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ:

''رسول پاک ﷺ کو جناب خدیجہؓ سے بہت زیادہ محبت تھی اور آپؐ ان کا احترام کرتے تھے۔اور اپنے کاموں میں ان سے مشورہ لیتے تھے وہ عظیم، رشید اور روشن فکر خاتون آپؐ کے لیے ایک اچھا وزیر اور مشیر تھیں۔پہلی عورت جو آپؐ پر ایمان لائیں جنابِ خدیجہؓ تھیں۔''(۵)

دورِ حاضر میں تعلیم کی ضرورت کو شدّت سے محسوس کیا جا رہا ہے۔عورت نے دین اور دنیا کی تعلیمات کو دو الگ الگ خانوں میں تقسیم کر دیا ہے۔خواتین کے لیے جتنی دنیاوی تعلیم اہم ہے۔اُس سے کئی زیادہ آج دینی تعلیم حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ وہ خود باخبر ہوگی۔تو اپنی آنے والی نسل کو احکامِ شریعت سے آشنا کر سکتی ہے۔عورت کا تعلیم یافتہ ہونا بہت ضروری ہے۔لیکن اُس سے کئی زیادہ تربیت یافتہ ہونا اہم ہے۔دراصل اُس کے ہاتھ میں آنے والے زمانے کی باگ دوڑ ہے۔

اقبال عورت اور تعلیم کے حوالے سے یوں روشنی ڈالتے ہیں:

''تہذیب فرنگی ہے اگر مرگِ امومت ہے حضرت انسان کے لیے اس کا ثمر موت!
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت!
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن ہے عشق و محبت کے لیے علم و ہنر موت! (۶)

حضرت فاطمۃ الزہراؑ نے اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت بہت اچھے انداز میں کی۔کیونکہ وہ جانتی تھی کہ رسول پاکؐ کی رحلت کے بعد ان کے بچوں کو دین و اسلام کی بہت زیادہ ذمہ داریاں سنبھالنی پڑیں گی۔

ابراہیم امینی تحریر کرتے ہیں کہ:

''جناب زہراؑ بچوں کے ساتھ کھیل میں بھی انہیں شجاعت، دفاعِ حق اور عبادتِ الٰہی کا درس دیتی تھیں اور انہیں مختصر جملوں میں چار حساس مطالبے یاد دلاتی تھیں یعنی باپ کی طرح بہادر بننا، اللہ کی عبادت کرنا حق سے دفاع کرنا اور ان اشخاص سے دوستی نہ کرنا جو کینہ پرور اور دشمن ہوں۔''(۷)

عورت کا ایک اہم فریضہ اپنے شوہر کی خدمت اور اُس کی ضرورتوں کا خیال رکھنا ہے۔ عورت جب اپنے آپ کو مردوں کے برابر اور اُن سے برتر ہونے کی کوششوں میں لگ گئی۔ تو وہ اپنی اس اہم ذمہ داری سے بھی بے خبر ہوگئی۔ اصل میں دینی تعلیم ہی خاوند کے اصل منصب اور مقام سے آگاہ کرتی ہے۔

محمد نجفی یزدی رسول پاکؐ کا قول نقل کرتے ہیں کہ:

''وائے ہو اُس عورت پر جو اپنے شوہر کو غضبناک کرے اور آفرین ہو اُس عورت پر کہ جس کا شوہر اُس سے راضی ہو۔''(۸)

شہزادی کونین بی بی فاطمہؑ اور حضرت علیؑ کی باہمی زندگی پوری انسانی تاریخ میں نہایت منفرد، ممتاز اور بیمثال تھی۔

رضی جعفر نقوی بی بی فاطمۃ الزہراؑ کا قول تحریر کرتے ہیں کہ:

''کوئی خاتون اپنے شوہر سے کسی ایسی چیز کا مطالبہ نہ کرے، جو شوہر کو زحمت میں ڈالنے کا سبب ہے۔''(۹)

عصر حاضر میں خواتین اِس بات کو ذہن نشین کرلیں کہ خاوند کو بے جا خواہشات بتا کر اُس کو پریشان نہ کریں۔ تاکہ وہ حلال رزق کمائے اور معاشرے میں رشوت، سفارش، دھوکہ دہی اور چور بازاری جیسے ناجائز اور غیر قانونی کاموں سے اپنے آپ کو بچائے۔ اس طرح معاشرہ بہت سی برائیوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

بقول اقبال:

''اِک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور — کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ، نہ تعلیم، نئی ہو کر پرانی — نسوانیتِ زن کا نگہباں ہے فقط مرد

جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا　　اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد"(۱۰)

اِن مثالی خواتین کو حکم رسولؐ اور امامؑ باہر جانا بھی پڑا۔ تو ان خواتین نے اپنے پردہ اور حیا کو برقرار رکھتے ہوئے اپنی مرکزی حیثیت کو قائم رکھا۔ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ مباہلے کے وقت نبیؐ کا عورتوں میں سے بی بی فاطمہؑ کو لے جانا اس بات کی دلیل ہے کہ عورت کی عظمت اور وقار گھر کے اندر اور باہر ہر جگہ بہت اہم ہے۔ یہاں تک کہ جب بھی کام کی تقسیم کار کی بات آتی تھی۔ بی بی فاطمہؑ ہمیشہ گھر کے اندر کے کاموں کو ہمیشہ اہمیت دیتی تھیں۔

محمد باقر مجلسی اِس سلسلے میں پیغمبر اکرمؐ کے قول کا حوالہ دیتے ہیں کہ:

"دروازے کے اندر جو کام ہو وہ فاطمہؑ کے ذمے اور دروازے کے باہر جو کام ہو وہ علیؑ کے ذمے" جناب فاطمہ الزہراؑ فرماتی ہیں کہ "پدرِ بزرگوار کے اس فیصلے سے جو مسرت میرے دل کو ہوئی اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ اس لیے کہ آپؐ نے مجھے مردوں کے درمیان جانے سے بچالیا"۔(۱۱)

آج کی عورت آزادیِ نسواں کی بات کرتی ہے مردوں کے ساتھ شانہ بشانہ کام کرتے کرتے خود کو مردوں سے زیادہ برتر سمجھنے لگی ہیں۔ روحانیت سے دور اور مادیت کی طرف اُن کا رجحان تیزی سے بڑھتا جارہا ہے۔

بقولِ اقبال آزادیٔ نسواں کچھ یوں ہے:

"اِس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا　　گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے، وہ قند
کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب　　پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند
اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش　　مجبور ہیں، مغرور ہیں، مردانِ خرد مند
کیا چیز ہے آرائش وقیمت میں زیادہ　　آزادیٔ نسواں کہ زمرد کا گلوبند؟"(۱۲)

عورت اپنی آزاد خیالی کی وجہ سے گھرداری جیسے اہم فریضہ سے بھی غافل ہوتی جارہی ہے۔ شہزادیِ کونین بی

بی فاطمۃ الزہراؑ خود ہی گھر میں جھاڑو دیتیں، پانی بھرتیں، چکی پیستیں، آگ روشن کر کے روٹی پکاتیں تھیں۔ بچوں کو پالنا، اللہ کی عبادت کرنا اور خاوند کے آرام کے اسباب مہیا کرنا اُن کی ذمہ داریوں میں شامل تھا۔

علامہ اقبال مخدومہ کائنات حضرت فاطمۃ الزہراؑ کی خدمت میں یوں عرض کرتے ہیں :

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز　　از سہ نسبت حضرت زہراؑ عزیز

نورِ چشم رحمۃ للعالمین　　آن امام اولین و آخرین

بانوی آن تاجدار ھل اَتی　　مرتضیٰ ، مشکل کشا، شیر خدا

مادرِ آن مرکز پر کارِ عشق　　مادر آن کاروانِ سالار عشق

مزرع تسلیم راحاصل بتول　　مادر آن را اُسوۂ کامل بتولؑ(۱۳)

حضرت بی بی مریمؑ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مادرِ گرامی ہونے کی وجہ سے منفرد ہیں مگر محض یہ ایک وجہ ہے ۔اور حضرت فاطمہؑ تین وجہ سے اعلیٰ شان رکھتی ہیں۔

علامہ اقبال دخترانِ اسلام کے لیے اُسوۂ بتول سلام اللہ علیہا کی پیروی کو ضروری خیال کرتے ہیں وہ اس کے لیے یوں بیان کرتے ہیں :

اگر پندی زِ درویشی پذیری　　ہزار امت بمیرد ، تو نہ سیری

بتولیؑ باش و پنہان شو ازین عصر　　کہ در آغوش شبیری بگیری(۱۴)

(اے میری بیٹی اگر تو اس درویش کی نصیحت پلے باندھ لے تو ہزاروں مائیں مر بھی جائیں تو تجھے موت نہیں آئے گی۔ بتول کی مقلد بن جا! تا کہ تیری گود سے حسینؑ جیسے لال دنیا کو ملیں)

عصرِ حاضر میں عورت کا حقوقِ نسواں کی پُرزور حمایت کرنے کی ایک بڑی وجہ مردوں کا بلا جواز تسلط اور قبضہ

بھی ہے ۔کیونکہ بعض مرد عورت کو اپنا ماتحت سمجھتے ہیں ۔ یہاں تک کہ کچھ گھرانوں میں عورت بیٹی، بیوی، ماں اور بہن جس روپ میں بھی ہے ۔مرد اُن پر جبر، سختی اور بے جا پابندی کے قائل ہیں ۔ایسے ماحول میں خواتین کی ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی جنہوں نے تعلیم حاصل کر کے باہر کی سرگرمیوں میں دلچسپی لینے کو فوقیت دی ۔مادی دنیا کی چمک دمک نے ان خواتین کو بہت زیادہ متاثر کیا۔اور اس مادیت پرستی سے وہ اپنی تہذیب وثقافت بھولنے لگیں ۔

اقبال ان خواتین کی عکاسی کچھ یوں کرتے ہیں :

”رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے ۔۔۔ روشن ہے نگہ آئنہ دل ہے مکدّر

بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے ۔۔۔ ہوجاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر!

آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے ۔۔۔ وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر

خلوت میں خودی ہوتی ہے خود گیر و لیکن ۔۔۔ خلوت نہیں اب دیر و حرم میں بھی میسر! (۱۵)

ماضی میں جنابِ زینبؑ کا کردار سامنے لائیں جو کہ شریکۃ الحسینؑ کے لقب سے مشہور ہوئیں ۔انہوں نے اپنے بھائی حسینؑ کے ساتھ مدینے سے کربلا تک کا سفر کیا۔اسلام کی سربلندی کے لیے باہر نکلیں ۔امام حسینؑ جانتے تھے کہ خواتین نہ تو جنگ کرسکتی ہیں ۔لیکن حکم باذن اللہ بیبیوں کو ساتھ لے جایا گیا۔واقعۂ کربلا کے مقصد کو آنے والی نسلوں تک زندہ رکھنے والی یہی بی بی تھیں ۔

علی شریعتی نے بجا کہا ہے کہ :

”بی بی زینبؑ نے پیغام حسینؑ کی اشاعت کی ذمہ داری کو پورا کیا۔کربلا کے انقلابی پرچم کو بلند رکھا۔ایسی حالت میں جب جھوٹ، مکر، فریب اور ظلم کا نظام اِس پرچم کو سرنگوں کرنے کے درپے تھا۔جب انقلاب کے تمام ہیرو مر چکے تھے ۔ایسے حالات میں علیؑ کی بیٹی زینبؑ نے ان ہاتھوں میں جو علیؑ کی طرح مضبوط تھے ۔انقلابی پرچم کو اٹھائے رکھا۔“(۱۶)

اقبال عورت کی عظمت کے بارے میں کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

''وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ اِسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اس کی کہ ہر شرف ہے اُسی دُرج کا دُرِ مکنوں!
مکالماتِ فلاطون نہ لکھ سکی لیکن اِسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطون!'' (۱۷)

فاطمہ بنتِ عبداللہ جو ایک عرب لڑکی تھی اور طرابلس کی جنگ میں غازیوں کو پانی پلاتی ہوئی شہید ہوئی۔ اقبال نے عورت کی شہادت کے جذبے کو کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔ بقول اقبال :

''فاطمہ! تو آبروئے امتِ مرحوم ہے ذرّہ ذرّہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے
یہ سعادت حورِ صحرائی تری قسمت میں تھی غازیانِ دین کی سقّائی تری قسمت میں تھی
یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر! ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر!(۱۸)

بی بی زینبؑ ایسی صابرہ خاتون تھیں کہ کربلا کے میدان میں ایک طرف اپنے بھائی کے ساتھ وفاداری نبھانے میں مصروفِ عمل تھیں اور دوسری طرف جوانوں اور بچوں کو شہادت کے لیے تیار کر رہی تھیں۔ انہوں نے اسلام اور حسینی مشن کی تکمیل کے لیے ہر مصیبت کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کیا۔

آج کی عورت کو اپنا کھویا ہوا مقام اُسی صورت میں مل سکتا ہے۔ جب وہ ان مثالی خواتین جیسی وفاداری اور صبر کو اپنانے کی کوشش کرے گی۔ بی بی زینبؑ و اُم کلثومؑ کے نقشِ قدم پر چل کر وہ اپنی عظمت اور وقار کو حاصل کر سکتی ہے۔

رضی جعفر نقوی نے بھی بجا کہا ہے کہ:

''دونوں شہزادوں عونؑ و محمدؑ کے لاشے خیمے میں لائے گئے تو خاندان کی تمام خواتین ان پر آہ و بکا میں

مصروف ہوگئیں اور دیکھنے والی نگاہوں نے یہ منظر دیکھا کہ جناب زینبؑ خیمے کے ایک گوشے میں بارگاہِ معبود میں سربسجود ہیں کہ اس نے ان کا ہدیہ قبول فرمایا۔"(۱۹)

خطابت کی صفت کا عورت کے اندر ہونا بے حد ضروری ہے۔لیکن اُس کو مثبت انداز میں اپنانا ضروری ہے نہ کہ غلط اور غیر ضروری مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کیا جائے۔

نورالدین اس صفت کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

"جو شخص بھی بی بی زینبؑ کے خطبوں کا مطالعہ کرتا ہے۔تو وہ اس بات کی تصدیق کرے گا کہ آپؑ کے خطبے فصاحت و بلاغت میں بے مثل ہیں۔اِن خطبوں میں حضرت علیؑ کی طرح فصاحت و بلاغت دکھائی دیتی ہے۔" (۲۰)

کربلا سے شام تک بی بی زینبؑ و اُم کلثومؑ بچوں اور خواتین کو سنبھالنے کے ساتھ ساتھ یزید اور ابن زیاد کے درباروں میں اپنے خطبوں کے ذریعے دین کی حفاظت اور کربلا کا فلسفہ بتانے میں کامیاب رہیں۔

ان مثالی خواتین نے جس محبت، وفاداری، صبر اور قربانی کا مظاہرہ کیا، اس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ان خواتین نے گھر کے اندر تربیت اور امورِ خانہ داری میں اور گھر کے باہر جب بھی موقع ملا دین کی سربلندی کے لیے اللہ کی رضا کی خاطر بیٹی، ماں، بیوی اور بہن ہر روپ میں مددگار و معاون رہیں۔

آج کی عورت کو اِن خواتین کے نقشِ قدم پر چلنے کی اشد ضرورت ہے۔دورِ حاضر میں عورت کو مغربی معاشرے کی چمک دمک اور مادی ترقی نے مرعوب کر دیا ہے۔عورت اپنے جس اصل حق اور مقام کی بات کر رہی ہے۔وہ تو چودہ سو سال پہلے نبی کریمؐ نے اپنی دینی تعلیمات کے ذریعے اُس کی وضاحت کر دی تھی۔اسلامی ثقافت پر مغربی ثقافت کے اثرات نمایاں ہوتے جا رہے ہیں۔عورت مغربی طرزِ معاشرت اپنانے پر مجبور ہے۔اس میں اتنا قصور عورت کا نہیں جتنا مغربی معاشرے اور اُس ماحول کا ہے۔جو وہ اختیار کر رہی ہے۔ورنہ آج بھی عورت کی شرافت اور

پاکدامنی اس اسلامی ثقافت اور تہذیب کو زندہ رکھے ہوئے ہے۔

اقبال نے بجا کہا تھا کہ:

''ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں

قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں

فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناش نہیں''(۲۱)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ قزوینی، سید محمد کاظم، فاطمۃ الزہراؑ طلوع سے غروب تک (مترجم) علامہ الطاف حسین، ادارہ منہاج الصالحین، لاہور، ۱۹۸۰ء، ص ۲۸۲۔

۲۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، ضرب کلیم، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۹۳۔

۳۔ مرتضیٰ مطہری، فلسفۂ حجاب (مترجم) سید محمد موسیٰ رضوی، جامعہ تعلیماتِ اسلامی پاکستان، ۲۰۱۵ء، ص ۸۳۔

۴۔ قزوینی، سید محمد کاظم، فاطمۃ الزہراؑ طلوع سے غروب تک (مترجم) علامہ الطاف حسین، ادارہ منہاج الصالحین، لاہور، ۱۹۸۰ء، ص ۶۴۔

۵۔ ابراہیم امینی، علامہ، فاطمۃ الزہراؑ اسلام کی مثالی خاتون (مترجم) اختر عباس نجفی، ادارہ نشر معارف اسلامی، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۳۳

۶۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، ضرب کلیم، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۹۶۔

۷۔ ابراہیم امینی، علامہ، فاطمۃ الزہراؑ اسلام کی مثالی خاتون (مترجم) اختر عباس نجفی، ادارہ نشر معارف اسلامی، لاہور، ۱۹۸۴ء، ص ۸۹۔

۸۔ نجفی یزدی، محمد، حکایت آفتاب امام علی بن موسیٰ رضاؑ کی زندگی کا مختصر جائزہ، (مترجم) سید عقیل حیدر زیدی، کتاب خانہ ملی جمہوری

اسلامی ایران، ۲۰۱۵ء،ص ۱۷۸۔

۹۔ نقوی، رضی جعفر، خاتونِ قیامت فاطمۃ الزہراؑ، ادارہ منہاج الصالحین، ۲۰۱۶ء،ص ۴۶۔

۱۰۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، ضربِ کلیم، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۵ء،ص ۹۵، ۹۶۔

۱۱۔ مجلسی محمد باقر، بحار الانوار، جلد ۳ (مترجم) سیّد حسن امداد ممتاز الافاضل محفوظ بک ایجنسی، کراچی، ۲۰۰۷ء،ص ۱۰۶۔

۱۲۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، ضربِ کلیم، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۵ء،ص ۹۵۔

۱۳۔ اقبال ،علامہ محمد، اسرار و رموز بیخودی، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور پاکستان (طبع ہشتم)، ۱۹۶۹ء،صص ۱۷۷۔ ۱۷۸۔

۱۴۔ اقبال، علامہ محمد، ارمغانِ حجاز، شیخ مبارک علی اینڈ سنز ،لاہور، پاکستان، (طبع ہشتم)، ۱۹۶۴ء،ص ۱۳۳

۱۵۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، ضربِ کلیم، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۵ء،ص ۹۳، ۹۴۔

۱۶۔ علی شریعتی، ڈاکٹر، فاطمہؑ، فاطمہؑ ہے، (مترجم) پروفیسر سردار نقوی، ادارۂ احیاءِ تراث اسلامی، کراچی، ۲۰۱۹ء،ص ۳۹۔

۱۷۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، ضربِ کلیم، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۵ء،ص ۹۴۔

۱۸۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، بانگِ درا، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۵ء،ص ۲۱۴۔

۱۹۔ نقوی، سیّد رضی جعفر، ثانی زہرا زینب کبریٰؑ، عصمہ پبلیکیشنز، کراچی، ۲۰۰۷ء،ص ۱۴۲۔

۲۰۔ موسوی، سید نور الدین، خصائص زینبیہؑ (مترجم) علامہ ناظم رضا عترتی، تُراب پبلیکیشنز لاہور، ۲۰۱۴ء،ص ۱۳۱۔

۲۱۔ محمد اقبال، ڈاکٹر، ضربِ کلیم، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۵ء،ص ۹۲۔

***

علامہ اقبال اور دیگر ادبی مشاہیر کی رثائی شاعری

*ڈاکٹر نصیر احمد اسد **عبدالمنان چیمہ ***ڈاکٹر آصف اقبال

Mourning Poetry of Allama Iqbal and Other Literary Legends

Dr. Naseer Ahmad Asad/ Abdul Manan Cheema/ Dr. Asif Iqbal

The incident of karbla which is the biggest and most terrible incident of history which has depressed all the great poets and writers of all times.Love for Muhammad(SAW(and his Aall(family(is the basic part of the belief of all the Muslims of the world. The poets from all over the world as well as the poets and writers of Sialkot have shown their best contribution in the writing of lyrics/mourning poetry in the memory of Rasool Allah s' family. Dr.Allama Muhammad Iqbal, Moulana Zafar Ali Khan and Faiz Ahmed Faiz are the great voices of lyrical poetry of Sialkot. This article presents the more lyrical poetry of the famous poets of Sialkot.

Keywords:

Literrary Legends,Imam Hussain(R.A(,mourning Poetry, Allama Iqbal

---

* پی ایچ ڈی اردو، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا

** پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر، شعبہ اسلامی و عربی علوم، یونیورسٹی آف سرگودھا، سرگودھا *** ایسوسی ایٹ پروفیسر، ایجوکیشن، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، فیصل آباد کیمپس

مرثیہ ایسی نظم کو کہتے ہیں جس میں وفات پانے والی شخصیت کی صفات بیان کی جاتی ہیں۔اردو مرثیہ ایک ایسی صنف ادب ہے جس میں کربلا کے حالات وواقعات پیش کئے جاتے ہیں۔بالخصوص حضرت امام حسینؑ اوران کے خانوادے کی شہادت کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔مرثیہ میں کسی مذہبی،قومی پیشوا یا کسی محبوب شخصیت کی موت پر غم کا اظہار بھی کیا جاتا ہے اوراس کی خوبیاں اس طرح بیان کی جاتی ہیں کہ قارئین بھی متاثر ہوں۔مرثیہ کے لئے کسی مخصوص ہئیت یا ترتیب قوافی کی کوئی شرط نہیں۔قصیدہ،مثنوی،رباعی،مربع،مخمس،مسدس،ترجیع بند،ترکیب بند غرض کہ شاعر جس ہئیت میں چاہے مرثیہ تحریر کرسکتا ہے۔اردو ادب میں مرثیے کا ایک خاص مفہوم بھی ہے یعنی شہدائے کربلا کا مرثیہ خود ایک نہایت وقیع صنفِ ادب کی حیثیت سے اپنا مقام منوا چکا ہے۔

مرثیہ گوئی کی روایت میں ایک بڑا نام فرزندِ سیالکوٹ علامہ اقبال کا بھی ہے۔اقبالؒ نے بھی مرثیہ نگاری میں اپنے تخلیقی جوہر پیش کئے ہیں۔ان کے ہاں شخصی مرثیے کا اظہار زیادہ ہے جیسا کہ 1905ء میں داغ کی وفات پر انہوں نے 23 اشعار پر مشتمل ایک مختصر مرثیہ لکھا جو ایجاز واختصار،رمز وکنایہ،تاثیر وبلاغت اور دیگر شعری محاسن سے مزین ہے۔علامہ اقبالؒ نے اپنے مخصوص طرزِ سخن کو بروے کار لاتے ہوئے داغ کی جذبات نگاری کو بہترین خراج تحسین پیش کیا ہے۔اس کے علاوہ ان کا مرثیہ" والدہ مرحومہ کی یاد میں اردو مرثیے کے حوالے سے ایک اہم اثاثہ ہے۔یہ نظم انہوں نے اپنی والدہ کی وفات پر ان کی یاد میں لکھی۔ اقبالؒ کی شعری دنیا میں شخصی مرثیوں کے علاوہ کربلا کا شعوری سفر اپنے لامحدود تناظر کے ساتھ موجود ہے۔اقبالؒ نے اپنے مفرد اشعار میں"حسینؑ" اور" شبیری" کے استعارے کے ذریعے شہادت کے اثرات ورموز اور معنویت کو اجاگر کیا ہے۔ ان کی یہ فکر روایت سے ہٹ کر تھی اگرچہ اقبالؒ نے مختلف نظموں اور غزلوں میں فرزندِ سیدہ زہرہ اور شہدائے کربلا کی لازوال قربانی کا ذکر کیا ہے تاہم اشعار کا ایک تسلسل " درمعنی حریت اسلامیہ وسر حادثہ کربلا" کے عنوان کے تحت علامہ اقبالؒ نے" رموز خودی" میں قلم بند کیا ہے۔ اقبالؒ امام حسینؑ کو ظلم واستبداد کے خلاف ایک مثالی کردار بنا کر پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ نے قیامت تک ظلم و

استبداد کے راستے بند کرتے ہیں۔اقبالؒ واقعہ کربلا کے حوالے سے لکھتے ہیں:

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

اقبالؒ کی شاعری میں امام حسینؑ اور کربلا ظلم وستم کے خلاف استقامت اور اسلام کے حقیقی رہبر کی نشان دہی کا ایک استعارہ ہے۔وہ کربلا اور امام عالی مقام کو حق و وحدت کا معیار اور حق و باطل کی میزان قرار دیتے ہیں۔وہ اس واقعے کے بنیادی کردار حضرت حسینؑ کے صبر کو عشق کا نشانِ راہ مانتے ہیں۔صدقِ خلیل،صبر حسین اور معرکہ بدر وحنین یہ سب کچھ اقبالؒ کے نزدیک ایمان وعشق کی کیفیات کا عملی مظہر ہے۔

صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق ،صبر حسینؑ بھی ہے عشق معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

اقبالؒ جہاں واقعہ کربلا کے حماسی اور انقلابی پہلو کو انتہائی خوب صورت انداز میں بیان کرتے ہیں:

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم نہایت اس کی حسینؓ، ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

اقبالؒ بال جبریل میں بیان کرتے ہیں:

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہاں گیری

اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دل گیری اک فقر سے مٹی میں خاصیت اِکسیری

اک فقر ہے شبیری اس فقر میں ہے مِیری میراث مسلمانی ،سرمایہ شبیری!

واقعہ کربلا نے ہر بڑے ادیب و شاعر کو متاثر کیا۔اہل بیت سے محبت ہر مسلمان کے ایمان کا مرکز و محور ہے۔مولانا ظفر علی خاںؒ نے اپنی اس محبت کا اظہار میدان کربلا میں امام حسینؑ کی شجاعت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے یوں بیان کرتے ہیں:

اک وہ بھی حسینؑ ابن علیؑ تھا کہ سر اس نے مر کر بھی نہ فاسق کی حضوری میں جھکایا

خود چل کے گیا معرکہء کرب و بلا میں دنیا کو قیامت کا سماں جس نے دکھایا

تھا سینہ سپر ایک ہزاروں کے مقابل باطل کے اس انبوہ نے اس کو نہ ڈرایا

اردو ادب میں رثائی شاعری زیادہ تر سانحہ کربلا تک محدود رہی۔تاہم بعض شعرا نے اپنے اعزہ واحباب کی وفات پر شخصی مرثیے کہہ کر اپنے غم والم کا اظہار کیا ہے۔مولانا ظفر علی خانؒ نے اپنے بھائی کی وفات مرثیہ کہا:

میں آج سنانے کو ہوں مشرگاں کی زبانی پہلو میں گداز جگر و دل کی کہانی

کرنا ہے مجھے آج جواں بھائی کا ماتم بنیاد فلک ہے مجھے منظور ہلانی

وہ شمع کہ تھا اس سے مرے گھر میں اجالا صرصر کو نہ لازم تھا سر شام بجھانی

فیض احمد فیض نے ایک شاہکار مرثیہ لکھ کر مرثیہ نگاری کی روایت میں اپنا حصہ ڈالا ہے۔فیض احمد فیض شب عاشور کے حوالے سے یوں بیان کرتے ہیں:

رات آئی ہے شبیر پہ یلغار بلا ہے ساتھی،نہ کوئی یار،نہ غم خوار رہا ہے

مونس ہے تو ایک درد کی گھنگھور گھٹا ہے مشفق ہے تو اک دل کے دھڑکنے کی صدا ہے

تنہائی کی ،غربت کی ، پریشانی کی شب ہے یہ خانہ شبیر کی ویرانی کی شب ہے

حکیم خلیق حسین ممتاز کے تخلیقی وجدان کو واقعہ کربلا سے گہری مناسبت ہے۔اس لئے واقعہ کربلا ان کی شعری شناخت کا اہم حصہ بن گیا ہے۔انہوں نے شعر کو کربلا کے پس منظر سے لفظی اور معنوی سطح پر ایک نئے اسلوب اظہار کے فن کدے سے روشناس کرایا ہے۔سخن وری میں زود گوئی ان کی فطرت کی حصہ رہی ہے جملہ اصناف سخن میں ان کا قلم

یکساں رواں ہے۔حمد،نعت،سلام،منقبت،غزل،مسدس،مرثیہ،قطعہ،رباعی،نظم،نوحہ،سہرااور رخصتی میں قلم موزوں نظر آتا ہے۔حکیم ممتاز کا ادبی سفر طویل ہے۔سیالکوٹ میں مشاعروں میں شمولیت کے سبب بہت ساری غزلیات لکھیں۔ان غزلیات میں بھی لفظ کے پس پردہ کربلا کا عکس لاشعوری طور پر جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

ہے میرے سر پہ مصائب کا آسمان کھلا زمیں کے ساتھ ہے میرا بھی امتحاں کھلا

ہیچ ہے ان کے سامنے ہر ظلم جو رہِ کربلا میں رہتے ہیں

قریہ جاں پہ لہو رنگ فضا طاری ہے مقتل ہجر ہے جذبوں کی عزا داری ہے

کون آیا سر مقتل ممتاز آج قاتل کا دل بھی ڈوبتا ہے

غزل میں مہارت کے باوجود حکیم ممتاز حبِ اہل بیت کی وجہ سے سلام اور مرثیہ کی طرف زیادہ راغب رہے اور 300 کے قریب سلام اور چند مرثیے بھی لکھے جو تاحال غیر مطبوعہ ہیں۔حمد،نعت،منقبت اور سلام پر ایک مجموعہ"تقلیدِ مؤدت" 2014ء میں شائع ہوا۔ سلام کے چند منتخب اشعار پیش کئے جاتے ہیں:

عظمت شاہ شہیداں کو سلام جس نے دکھلایا بقا کا رستہ

اس شان سے شہید ہوئے کربلا میں آپ قربان گاہ ِ عشق کو حیران کر دیا

سید زاہد حسین بخاری کی پہچان نعت گو شاعر کے طور پر ہے لیکن انہیں مرثیہ و سلام میں بھی ملکہ حاصل ہے۔سید بخاری نے آٹھ مرثیے لکھے ہیں جن میں سے ایک مرثیہ غیر مطبوعہ ہے۔سرخیِ خونِ شہیداں کے عنوان سے 2019ء میں سات مرثیوں پر مشتمل مجموعہ شائع ہوا۔ان مراثی کے عنوانات درج ذیل ہیں۔

1۔سجدہ شبیری 2۔مفارقت 3۔امن و سلامتی 4۔عدل و احسان 5۔کعبہ و اہل بیت 6معجزہ 7۔جناب رقیہ بنت علی

۔آٹھواں مرثیہ قرآن و اہل بیت کے عنوان سے لکھا گیا ہے ۔سید بخاری کا سب سے پہلا مرثیہ خاصہ طویل ہے اور 170 بندوں پر مشتمل ہے ۔یہ "سجدہ شبیری" کے نام سے 1996ء میں منظر عام پر آیا تھا۔اس میں احمد ندیم قاسمی اور سرور انبالوی جیسے شعرا نے اپنے تاثرات قلم بند کئے ہیں ۔اس مرثیے کا ایک بند پیش کیا جاتا ہے جس میں صبح عاشور امام حسین □ کی اقتدا میں جاں نثاروں کی نماز فجر ادا کرنے کا منظر کھینچا گیا ہے :

پیدا ہوا ہے دل میں گداز اور زیادہ رقت سے ہوا لطفِ نماز اور زیادہ
جھکنے لگی پیشانی ناز اور زیادہ خالق سے ہوئے رازو نیاز اور زیادہ
روحوں میں عبادت کا سرور اور زیادہ چہروں پہ اتر آیا ہے نور اور زیادہ

سید زاہد حسین بخاری کے مرثیے میں کربلا کے کرداروں کا بیان بھی وضاحت سے ملتا ہے ۔یوں سید بخاری بطور مرثیہ نگار بیک وقت خارجی اور داخلی دونوں پہلوؤں پر یک ساں تخلیقی حسن کا مظاہرہ کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔

سیالکوٹ میں مرثیہ نگاری میں ایک نمایاں نام رشید آفریں کا ہے ۔ان کے سات شعری مجموعے شائع ہو کر قبولیت کی سند حاصل کر چکے ہیں ۔رشید آفریں نے مذہبی اعتقادات کے مضامین کو تقدس اور احترام کے سارے لوازمات سمیت اپنے شعروں میں جگہ دی ہے ۔ان کی شاعری میں مذہب اور ایمان کی لہریں ساتھ ساتھ چلتی ہیں ۔حمد ،نعت ،منقبت اور مرثیہ نگاری جیسی اصناف سخن کی تخلیق میں جوش و جذبے کی بہتات کے ساتھ فنی پختہ کاری نمایاں ہے ۔

رشید آفریں کے چند اشعار درج ہیں :

چار سو ہیں امام کی باتیں سبطِ خیر الانام کی باتیں
لب پر قرآن سر تھا نیزے پر شاہ کے اس قیام کی باتیں
اس کے جہاد کو خدا کیوں نہ کرے پسند جس کی صفوں میں ایک پسر شیر خوار ہے

ڈوبا ہوں آفریں غم اہل بیت میں جس کے اثر سے روح بھی میری نڈھال ہے

سیالکوٹ کے معروف شاعر سید عدید نے 19 بندوں پر مشتمل ایک مرثیہ لکھا ہے۔ یہ بڑا جان دار مرثیہ ہے جو قاری کے دل کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ اس سننے والا انسان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

سید عدید لکھتے ہیں:

خدّام خاص، خاص برادر چلے گئے عون و محمد اور علی اصغر چلے گئے

قاسم چلے گئے ،علی اکبر چلے گئے مقتل میں ایک دن میں بہتر چلے گئے

کاندے پہ سب کے لاشے اٹھائے حسینؑ نے وعدے رسول کے تھے نبھائے حسینؑ نے

تعظیم ِ خا ک ِ کرب وبلا چاہتے تھے آپ بے بس نہیں تھے رب کی رضا چاہتے تھے

کیا پوچھتے ہو مجھ سے کہ کیا چاہتے تھے آپ دین ِ محمدی کی بقا چاہتے تھے آپ

عظمت ہے یہ دلیل امام ِ شہید کی بیعت حسینی کرتے نہیں ہیں یزید کی

جب روضہء رسول سے رو کر چلے حسینؑ دربار بھائی اشکوں سے دھو کر چلے حسینؑ

کیسے جدا بتول سے ہو کر چلے حسین ؑ کتنے گہر لڑی میں پرو کر چلے حسین ؑ

یہ سوچ کر تو روتے تھے سبطِ رسول ﷺ بھی اس قافلے میں ساتھ ہے بنت بتول بھی

سید عدید کے ان اشعار میں بلندی ِمضمون اور خوبی ِزبان واضح ہے۔ ان کے ہاں تخلیقی عمل میں شعور کے ساتھ ساتھ لا شعور کی کارفرمائی بھی نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں کربلا سے متعلق بالواسطہ اشعار بھی ہیں اور بلاواسطہ اشعار بھی۔ انہوں نے غزل گو شاعر ہونے کے باوجود اپنی پہچان بنائی ہے۔

سیالکوٹ کے جن شعرا نے واقعہ کربلا کے تناظر میں سلام و مرثیہ کو اپنی شاعری میں ایک مستقل موضوع کے طور پر اختیار کیا، ان میں اعجاز زعرائی، سید اقبال رضوی، ڈاکٹر راشد شیرازی کے نام نمایاں ہیں۔ سیالکوٹ میں پروفیسر ضمیر حیدر نقوی بھی فروغ ِ مرثیہ کے لیے قابل تحسین خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ان شعرائے کرام نے اس واقعہ اور اس کی جزئیات کو معنوی توسیع و تقلیب عطا کرنے کے ساتھ ساتھ غزل کے فنی محاسن کو مجروح نہ کرتے ہوئے، کربلا کی لفظیات کی مؤثر اور معنی خیز استعمال کر کے شاعری میں نئی وسعت کے امکان روشن کئے جس سے سیالکوٹ کی علمی فضا میں تخلیق ہونے والے مرثیے میں اردو شاعری کی مختلف اصناف کا رنگ ایک دھنک کی صورت میں نظر آتا ہے۔ مرثیہ گو شعرا کے ساتھ ساتھ سیالکوٹ کے کچھ غزل گو شعرا ایسے بھی ہیں جن کے لئے واقعہ کربلا شعری شناخت نامے کی حیثیت رکھاتا ہے۔ ان غزل گو شعرا نے اپنے کلام میں واقعہ کربلا مختلف کیفیتوں، متعدد ابعاد اور ان گنت شکلوں کے ساتھ کچھ اس انداز میں سمویا ہے کہ یہ واقعہ ان کے کلام کی پہچان قرار پا گیا ہے۔ ان کے چند اشعار بطور مثال نذر قارئین ہیں:

محمود حیدر پیر زادہ لکھتے ہیں:

لائے کہاں سے ڈھونڈ کے کس کی مجال ہے　　دنیا میں بے مثال محمدؐ کی آل ہے

پورے جہاں میں ایک درِ اہل بیت ہے　　جینا کمال ہے جہاں مرنا کما ل ہے

دراصل کائنات میں آل ِ رسول ہیں　　جن کے لہو سے دیں کا تنفس بحال ہے

اعجاز زعرائی لکھتے ہیں:

وہ کس کا باپ ساقی کوثر ہے یاد کر　　کرب و بلا میں تشنہ دہن کس کا لال ہے

واقعہ کربلا تاریخ کا ایک ایسا بڑا سانحہ ہے جس نے ہر بڑے ادیب و شاعر کو متاثر کیا۔ یہ حق و باطل کے درمیان ایک ایسا معرکہ تھا جس میں حق کی کمان حسینؓ ابن علیؓ کے پاس تھی۔ اہلِ بیت سے محبت ہر مسلمان کے ایمان کا

حصہ ہے۔مولانا ظفر علی خان بھی نواسۂ رسولؐ سے محبت کا اظہار میدانِ کربلا میں امام حسینؓ کی بہادری اور شجاعت اس طرح بیان کرتے ہیں:

اک وہ بھی حسینؓ ابن علیؓ تھا کہ سر اس نے مر کر بھی نہ فاسق کی حضوری میں جھکایا

خود چل کے گیا معرکۂ کرب و بلا میں دنیا کو قیامت کا سماں جس نے دکھایا

تھا سینہ سپر ایک ہزاروں کے مقابل باطل کے اس انبوہ نے اس کو نہ ڈرایا

اردو شاعری میں مرثیے کی صنف زیادہ تر سانحہ کربلا کے بیان تک محدود رہی تاہم بعض شعرا نے اعزہ و احباب کے مرنے پر تاریخی قطعوں کے علاوہ شخصی مرثیے کہہ کر اپنے غم و الم کا اظہار کیا ہے۔مولانا ظفر علی خان نے اپنے والد، بھائی محمد اکرم خان، سید محمود، نواب داغ دہلوی، مولانا گرامی، سر فضل حسین، لاجپت رائے، ڈاکٹر مختار انصاری، مولانا محمد علی جوہر اور علامہ اقبال کی وفات پر مرثیے تحریر کئے ہیں۔مولانا ظفر علی خاں نے اپنے بھائی کی وفات پر مرثیہ بھی کہا جس کے کچھ اشعار حسبِ ذیل ہیں۔

میں آج سنانے کو ہوں مژگاں کی زبانی پہلو میں گداز جگر و دل کی کہانی

کرنا ہے مجھے آج جواں بھائی کا ماتم بنیاد فلک ہے مجھے منظور ہلانی

وہ شمع کہ تھا اس سے مرے گھر میں اجالا صرصر کو نہ لازم تھا سر شام بجھانی

طفیل ہوشیار پوری نے غزل، نظم، گیت کے ساتھ ساتھ مرثیہ بھی لکھا ہے۔مرثیے کو عمل خیر کا پیغام بنانے کے لیے طفیل نے مرثیے سے صرف رونے رلانے کا کام نہیں لیا۔بلکہ ان کے نزدیک مرثیے کا اصل مقصد اس پیغام کی روح کو سمجھنا ہے جو امام حسین نے سرزمین کربلا پر اپنے اہل خاندان اور مخلص ساتھیوں کی قربانی کی صورت میں پیش کیا

ہے۔ایک مرثیے کے دو بند درج ذیل ہیں:

راہ حق میں لُٹ گیا قافلہ حسین ؑ کا　　خیرو شر کی جنگ تھی کائنات دنگ تھی

آسمان دور تھا اور زمین تنگ تھی　　کربلا کی خاک تھی اور خون رنگ تھی

لشکر یزید کے دل کی یہ امنگ تھی　　حق میں ہو یزید کے فیصلہ حسینؓ کا

غزل گو شاعر ایوب صابر کے ہاں بھی رثائی شاعری کے عناصر بدرجہ اتم موجود ہیں۔ان کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

چشم فلک نے دیکھا ہے جذبہ حسینؑ کا　　صبرو رضا ہی ٹھہرا ہے لہجہ حسینؑ کا

کربل کی ریت کو ہے مصلّے بنا لیا　　بھاری ہے ساری قوم پہ سجدہ حسینؑ کا

مغلوب کرنے آئے جو عبرت نشاں بنے　　قائم ہے آج تک یہاں غلبہ حسین ؑ کا

طاہر شادانی نے رثائی نظمیں لکھیں جن میں ادبی قومی اور علمی مشاہیر کی وفات پر اظہار کیا گیا ہے۔شادانی نے جن شخصیات کے مرثیے لکھے ان میں اقبالؒ محمد علی جناح ،مولانا ظفر علی خانؒ ،مولانا مودودی ،عبدالمجید سالک، پروفیسر حمید احمد خان، مولانا صلاح الدین، احسان دانش ،محمد طفیل (مدیر نقوش) اور ان کی والدہ مرحومہ اہم ہیں۔شادانی نے قومی وملی اور ادبی شخصیتوں کو اس لیے موضوع بنایا ہے کہ ان کے دل میں قوم کا درد موجود ہے۔ان کے مرثیوں میں موزونی الفاظ خاص طور پر متاثر کن ہیں۔وہ شخصیات کے شایان شان الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

ا۔مرثیہ عربی زبان کا لفظ ہے۔مرثیے کا لفظ رثا سے نکلا ہے۔"رثا" کے معنی وفات پانے والے فرد پر غم والم کا اظہار کرنا اور اس کی خوبیاں بیان کرنا ہے۔مرثیہ کی صنف عربی ادب سے فارسی ادب اور فارسی ادب سے اردو ادب میں آئی ہے۔ اردو ادب میں بہت سی عظیم

شخصیات کے مرثیے پائے جاتے ہیں۔

۲۔علامہ اقبال،کلیاتِ اقبال،اقبال اکادمی،پاکستان،لاہور،2009ء،ص۔ 398

۳۔ایضاً،ص۔ 439

۴۔ ایضاً،ص،391

۵۔ ایضاً،ص۔490

۶۔مولانا ظفر علی خان،حبسیات،مولانا ظفر علی خان ٹرسٹ،لاہور،2008ء،ص، 97

۷۔مولانا ظفر علی خان،کلیاتِ ظفر علی خان (بہارستان)،الفیصل ناشران،لاہور،2007ء،ص، 566

۸۔ فیض احمد فیض،نسخہ ہائے وفا،ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس،دہلی،1986ء،ص،215

۹۔ خلیق حسین ممتاز،اساس فکر،طٰہٰ پبلی کیشنز،لاہور،2005ء،ص،52

۱۰۔ ایضاً،ص 58

۱۱۔ ایضاً،ص 66

۱۲۔ ایضاً،ص 158

۱۳۔ خلیق حسین ممتاز،فکرِ مودت،اردو بازار لاہور،2014ء،ص 114

۱۴۔ ایضاً،ص 158

۱۵۔ سید زاہد حسین بخاری،سرخیِ خونِ شہیداں،سرخیِ خون شہیداں اردو بازار،لاہور،،ص،70

۱۶۔ رشید آفریں،فخرِ دو عالمؐ،الحمد پبلی کیشنز لاہور،2013ء،ص، 145

۱۷۔ سید عدید،پیار بے اختیار ہوتا ہے،الحمد پبلی کیشنز،لاہور،1999ء،ص۔ 150

۱۸۔ ایضاً،ص۔130

۱۹۔ ایضاً،ص۔ 135

۲۰۔ محمود پیرزادہ،مسودہ (کمالِ کن)،زیرِ طبع،انٹرویو، 24دسمبر 2021ء

۲۱۔ اعجاز عزائی، مسودات، عزائی، اعجاز عزائی کے کافی مسودات ہیں جو زیرِ طبع ہیں۔ انٹرویو: محمود حیدر پیرزادہ، 24 دسمبر 2021ء

۲۲۔ ظفر علی خاں، ''کلیاتِ ظفر علی خاں'' (بہارستان)، لاہور: الفیصل ناشران، 2007ء، ص۔ 38

۲۳۔ ظفر علی خاں، ''کلیاتِ ظفر علی خاں''، ص۔ 50

۲۴۔ طفیل ہوشیار پوری، ''جامِ مہتاب'' احسان اکیڈمی، لاہور، 1975ء، ص 129:

۲۵۔ ایوب صابر، مسودہ سلام، انٹرویو ایوب صابر، 24 دسمبر 2021ء

علامہ اقبال کا تصور مرد مومن اور بلوچستان کے نوجوان

* ڈاکٹر حسن آراء مگسی

ALLAMA IQBAL CONCEPT OF MARD-E-MOMIN AND A MESSAGE FOR THE YOUTH OF BALOCHISTAN.

Dr. Hassan Ara Magsi

In every nation there is concept of leadership. The leader is the mirror of the nation, he can make or mar the nation through good will or ill-will.The concept of Mard-e-momin of Allama Iqbal carries the pivotal importance.The Holy Prophet(PBUH)is the Mard-e-Momin of Allama Iqbal.He was the paragon of all virtues.Allama Iqbal owe allegiance and extreme devotion to the personality of Holy Prophet.If we analyse any aspect of Holy Prophet,s personality,He was perfect.He was well–versed administrator,generous father,loving husband and

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ سیاسیات یونیورسٹی آف بلوچستان، کوئٹہ۔

best companion.He played his role in a best manner.The theory of leadership will be applied on this research work.The concept of Mard-momin is to provoke the ego among the youth of Balochistan.

Keywords:Allama Iqbal,Balochistan,Mard-momin

ہر قوم میں لیڈر تصور پایا جاتا ہے۔لیڈر قوم کا آئینہ دار ہوتا ہے۔جو اپنے قول وفعل اور کردار کی وجہ سے اپنی قوم کی تقدیر کو بدل سکتا ہے۔علامہ اقبال کا تصور مرد مومن انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔،بندہ خدا حضور اکرم ﷺ کی ذات اقدس ہے۔وہ تمام خصوصیات کا مرکز ہے۔علامہ اقبال فنافی رسولؐ تھے اور انہیں حضور اکرمؐ سے والہانہ محبت تھی۔حضور اکرمؐ سیرت طیبہ ایک آئینہ کی طرح ہے۔جو تمام مسلم امہّ کے لیئے ایک روشن مثال ہے۔حضور اکرمؐ کی شخصیت کے جس پہلو کا بھی جائزہ لیا جائے چاہئے۔بحیثیت علم سپہ سالار بحیثیت والد،شوہر،تاجر اور حکمران انہوں نے اپنا ہر کردار انتہائی احسن طریقے سے نبھایا۔اس ریسرچ میں کوالٹیٹو طریقہ اپنایا جائگا۔جس میں موضوع کے اجزاء کا تفصیلاً جائزہ لیا جائیگا۔اس ریسرچ پر لیڈر شپ کے نظریہ کا اطلاق کیا جائیگا کہ لیڈر میں کن کن خصوصیات ہونا ضروری ہے اور آئیڈیل لیڈر کے ماڈل کے نظریہ کے مطابق ریسرچ کے موجوع کا تجزیہ لیا جائیگا اور مواد مختلف کتابون،میگزین اور اخباروں سے جمع کیا جائیگا اور آخر میں تمام حقائق کا تجربہ لیا جائیگا اور نتائج مرتب کیے جائیں گے کہ علامہ اقبال مرد مومن کے تصور سے بلوچستان کے نوجوانوں کو خودی ابھارنے کا پیغام دیتے ہیں۔

مقاصد:

1:۔علامہ اقبال کے تصور مرد مومن کا تفصیلاً جائزہ لیا جائیگا کہ علامہ اقبال کا مرد مومن کونسی ہستی ہے۔

2:۔کیا مرد مومن کا تصور محض تصوراتی ہے کہ یہ تصوراتی جا کر کی جامع حقیقت ایک آئیڈیل لیڈر کی صورت میں موجود ہے۔

:3۔مردمومن میں کیا کیا خصوصیات ہیں ۔اُنکا جائزہ لیا جائیگا۔

:3۔ریسرچ ڈیزائن :۔اس ریسرچ مقالہ میں کوالٹیٹو ریسرچ کا ڈیزائن کو اپنایا جائیگا۔جس میں مردمومن کی حصوصیات کا بغورتجزیہ لیا جائیگا۔جس میں ریسرچ کے عناصر اوراجزاء پرتحقیق کی جائیگی ۔اس ریسرچ مقالہ مین لیڈرشپ کے آئیڈیل نظریہ کااطلاق کیا جائیگااورموادکتابوں،رسائل ،اخبارات اورانٹرنیٹ سے حاصل کیا جائیگا۔

:4۔ریسرچ کی اہمیت :۔مردمومن کےتصورکی بڑی اہمیت ہے ۔کیونکہ پوری دنیامیں لیڈرشپ کےتصورکی عالمگیر افادیت ہے ۔کیونکہ لیڈر رہرقوم کارہنما ہوتاہے ۔اوراپنی قوم کوصحیح سمت دکھانے کے لیئےلیڈرکا کردارانتہائی اہم ہوتا ہے ۔علامہ اقبال کالیڈریعنی مردمومن اللہ تعالیٰ کاخلیفہ ہے ۔جوکہ صرف اللہ تعالیٰ کے پیغام مخلوق خداکو پہنچا تاہےاورصرف خودبھی شریعت کی یاپاسداری کرتاہےاوردوسروں کوبھی اسکی تاکید کرتاہے ۔وہ اللہ تعالیٰ کاسفیراور پیامبر ہےاوراللہ کی رضاحضوراکرمؐ کی سنت کی تقلیدمیں ہے ۔وہ تمام خصوصیات کامجمع ہے ۔وہ صادق وامین ہے،وہ ایماندارو فادار،بااعتماد، روشن خیال،دوراندیش،ایک عظیم سپہ سالا ر،وفاشعارشوہراورعظیم سربراہ مملکت ہے ۔

مردمومن کاتصورانتہائی اہم ہے ۔کیونکہ تمام کائنات اس ہستی کےعظیم کردارکو مانتی اورجانتی ہے ۔وہ حضور اکرمؐ ہےاورمغربی دنیامیں ایک کتاب ہےجسکاعنوان ہے" 100)"100 Great People عظیم آدمی)اس میں حضوراکرمؐ کانام سرفہرست ہے ۔حضوراکرمؐ نے اس دنیاکی پہلی فلاحی ریاست مدینہ کی بنیادرکھی اوردنیا کا پہلاتحریری آئین میثاق مدینہ(چارٹرآف مدینہ) ہے ۔حسن میں تمام شہریوں کےحقوق کی ضمانت دیتی ہے اوراقلیتوں کےحقوق کی بھی مکمل پاسداری کی گئی ہے ۔

علامہ اقبال کےتصورمردمومن میں بلوچستان کےنوجوانوں کے لیئےخصوصی ایک پیغام ہے ۔

کیونکہ آجکل نوجوان نسل بےراہ روی کا شکارہے ۔تو انکے سامنےحضوراکرمؐ کے ذات اقدس کانمونہ بطورایک آئیڈیل ماڈل پیش کیا ئیگا ۔انکو درس دیا جائیگا ۔کہ انکی ذات وصفات کی تقلید کریں ۔اورایک اعلیٰ انسان اورمومن بننے کی کوشش

کریں۔تاکہ وہ ان دنیااورآخرت میں سرخُروہوسکیں۔

ریسرچ سوالات:۔

:1۔علامہ اقبال کےتصورمردمومن کونسی شخصیت آئیڈیل لیڈرپرپوری اترتی ہے؟

:2۔کیامردمومن کاتصورعلامہ اقبال سے پہلےبھی کسی نےپیش کیا؟

:3۔علامہ اقبال کےمردکامل کی حصوصیات کیاگیاہے؟

:4۔مردمومن کی سیرت طیبہ تمام مسلم امہّ کےلیئےآئینہ اورماڈل ہے؟

:5۔علامہ اقبال کاتصورمردمومن صوبہ بلوچستان کےنوجوانوں کوکیادرس اورپیغام ملتاہے؟اوراپنی زندگیوں کوکیسے سنوار سکتے ہیں؟

:6۔بنیادی مضمون:۔علامہ اقبال کاتصورمردمومن،آئیڈیل لیڈر،مردخدا،شیخ کامل،بندہ حق،قلندر،اورایک مکمل شخصیت کوئی نیاتصورنہیں ہے۔اس سےتمام دنیاواقف ہے۔وہ حضوراکرمؐ ہیں۔

بقول شاعر:۔

”حُسن یوسف ، دم عیسیٰ ، ید بیضا داری　　　آنچه خوبان همه دارند، تو تنها داری---“

:1۔حضوراکرمؐ ذات ایک کامل شخصیت ہےوہ غریبوں کےہمدرد،سخی،قناعت پسند،

دوراندیش اوراچھااخلاق رکھنےوالےانسان تھے۔

علامہ اقبال سے قبل آئیڈیل لیڈرکاتصور:۔

ایم۔ایم شریف کےمطابق مردمومن کاتصورانتہائی قدیم ہے۔افلاطون نےبھی فلاسفربادشاہ کاتصورپیش کیا۔ فلاسفربادشاہ انتہائی منفردانسان تھا۔جوکہ تمام اچھی خوبیوں کامالک تھا۔وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ،ایمان دار،رعایا کاخیال

رکھنے والا اچھا دقانون ساز،منصف،ذہین،دوراندیش اورقائدانہ صلاحیتوں کا مالک تھا۔وہ افلاطون کی آئیڈیل ریاست کا سربراہ تھا۔لیکن افلاطون کا وہ ایک تصوراتی بادشاہ تھا۔ایسا شخص حقیقت میں ملنا مشکل ہے۔کیونکہ ہر شخص کچھ نہ کچھ کمزوریاں پایا جاتی ہیں۔

مولا نارومیؒ کا کامل انسان:۔"مولا نارومیؒ کا کامل انسان اس دنیا کا اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔وہ اس دنیا میں خدا کا سایہ ہے" اورسچائی کا شیر ہے۔اسکی شخصیت کے مختلف پہلو ہیں۔وہ خوش گفتار،خوش کردار،اوراچھے اخلاقیات کا مالک ہے اور اسکے پاس مخصوص الہامی علم ہے۔وہ صبر،بہادری،شرافت اورانصاف کا پیکر ہے۔

سپرمین کا تصور:۔علامہ اقبال کا یہ تصور نطشے کے تصور سپرمین سے ملتا ہے۔سپرمین بہت سی صلاحیتوں کا پاسدار ہے وہ خودغرضی سے پاک ہے۔اورتمام دنیا کے لوگوں کو نئی زندگی دیتا ہے۔جب دنیا اخلاقی گراوت کے اندھیروں میں گھری ہوئی ہے۔بقول نطشے یہ سپرمین ایک رسی کی مانند ہے۔جوکہ وحشی جانوراورفرشتہ کوایک دوسرے سے باندھتا ہے۔اورسپرمین کا مقصد بھی اخلاقی،فکری اورنظریاتی بلندی کو پانا ہے۔جبکہ مردمومن کا تصورایک ایسی کامل شخصیت کی نشاندھی کرتا ہے۔جو کہ روحانی،اخلاقی اورانسانیت کے اعلیٰ درجہ پرفائز ہے۔مردمومن کا ظرف اعلیٰ ہے۔جسکو مکمل ضبط نفس حاصل ہے۔اور اسکی روح بھی پاک ہوتی ہے۔

مردمومن بشریت کا پاسدار:۔

مردمومن اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تشریح کرتا ہے۔اورانہیں احکامات پرعمل کرنے کے لیئے دوسروں کو بھی کہتا ہے۔خودبھی شیریعت کا پابند ہوتا ہے۔مردکامل اللہ تعالیٰ سے سچی محبت کرتا ہے۔اسکی محبت محض جنت کے باغوں اورپھلوں کے لیئے نہیں ہوتی۔یا اسے اللہ کا خوف صرف دوزخ کی آگ کی وجہ سے نہیں ہوتا۔

علامہ اقبال اپنی کتاب "گلشن راز" میں کہتا ہے۔جسکا خلاصہ یہ ہے "مردمومن دنیا کی بےثباتی سے بخوبی واقف ہے۔وہ کہتا ہے کہ بس خودپائیداراورہمیشہ رہنے والی ہے۔اورمادیت کو زوال ہے۔اورآخرت کی زندگی امرحقیقت

ہے۔اور وہ آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتا ہے۔4

علامہ اقبال مرد مومن کی بہت بڑی صفت بس یہ بیان کرتا ہے۔کہ مرد مومن فقیر اور قناعت پسند ہے۔اگر چہ وہ مکمل تنہائی بسر نہیں کرتا۔بلکہ وہ ایک باعمل زندگی بسر کرتا ہے۔اور کسب حلال کماتا ہے۔اگر چہ اس لباس سادہ اور حلیہ درویشانہ ہے۔مگر وہ بے تحاشہ خزانے کا مالک ہے اور اسکی طبیعت میں کسی قسم کا لالچ بھی نہیں ہے۔وہ بھرپور طرز یقے سے ایک سماجی زندگی گزارتا ہے وہ اپنے حسن کردار میں جمال اور جلال کے پہلو کو مدنظر رکھتا ہے۔جیسے ایک سچا درویش کرتا ہے۔

ترجمہ :۔علامہ اقبال بال جبریل میں لکھتا ہے"اگر کوئی اس دنیا میں حقیقی لیڈر یا رہنما دیکھنا چاہتا ہے۔ہم سب اور ساری دنیا تامکمل ہے۔صرف وہ تنہا اپنی ذات میں کامل ہے۔(5)

مرد مومن محبت اور دیانت کا پیکر ہے۔اور انسانی خدمت کے جزبے سے سرشار ہے۔اور مرد مومن یہ سمجھتا ہے ۔کہ خدمت خلق دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے۔اور اسی میں علامہ اقبال نوجوانوں کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں۔کہ نوجوان مسلم امہّ کی ترقی کے لیئے اپنا کردار ادا کریں۔کیونکہ نوجوان ہی قوم کا سرمایہ ہیں۔اور قوم کے ہموار ہیں۔اور قوم کو اور نوجوانوں کو خودی کے جذبے سے سرشار ہونا چاہیئے۔کیونکہ خودی اور نوجوان اپنی صلاحیتوں کو بروقت پہچان سکتے ہیں۔اور خودشناسی انسان کی بہت بڑی فتح ہے اور خودشناسی ہی خداشناسی سکھاتی ہے۔کیونکہ اس خودی کی وجہ سے انسان انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔اور خودی کا جزبہ انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔جو کہ انسان کے جزبات کو ابھارتا ہے۔اور خودی ایک انتہائی متحرک جزبہ ہے۔جس سے انسان کی زندگی کو تقویت ملتی ہے۔اور ترقی کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔انسان کی روح خودی ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو خودی کا جذبہ دیا ہے۔تاکہ وہ انسان میں اللہ کے احکامات بجارالانے کے لیئے ایک خلیفہ کا کردار ادا کرے۔

علامہ اقبال نوجوانوں کو ایک سچا مسلم،مرد مومن،کو ایک سچا مسلم،مرد مومن،مجاہد،شاہین،کے طور پر دیکھنا چاہتے ہیں۔

بقول علامہ اقبال:۔

''محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے ستاروں یہ جو ڈالتے ہیں کمند ''(6)

اورنو جوان ہی قوم کو وہ لیڈر شپ مہیا کرتے ہیں۔جوکہ قوم ترقی کی بلندیوں تک لے جاتی ہے۔کونکہ مردمومن کے تصور میں ایک آئیڈیل لیڈر کا تصور پایا جاتا ہے۔

بقول شاعر علامہ اقبال:

'' نرم دم گفتگوں، گرم دم جستجو رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

علامہ اقبال کی خواہش تھی۔کہ نوجوان کے پاس مردمومن کی طرح قرآن مجید کا علم ہونا چاہیئے۔کیونکہ قرآن مجید اصل ہدایت کی کتاب ہے۔علامہ اقبال ارمغان حجاز میں لکھتے ہیں۔

ز قرآن پیش خود آئینه آویز دگرگون گشتهای از خویش بگریز

ترازویی بنه کردار خود را قیامتهای پیشین را برانگیز)(7

علامہ اقبال چاہتا ہے کہ نوجوان میں فقر کی خصوصیت ہوئی چاہیئے اور وہ ہمیشہ وہ سادہ اور قناعت پسندی والی زندگی گزارے۔

یہ فقر غیور جس نے پایا بے تیغ و سنان فرد حجازی

علامہ اقبال اس بات سے بخوبی واقف تھے۔کہ نوجوان نسل گمراہی میں ڈوبی ہوئی ہے۔اورنوجوان نسل سنت پر عمل کرے۔وہ قومیں برباد ہوجاتی ہیں۔

علامہ اقبال کا مردمومن اللہ تعالیٰ کے احکامات کا پابند ہوتا ہے۔پروفیسر بسیونی کے مطابق

علامہ اقبال کا مردمومن صبر وتحمل کا پیکر ہے۔اورآج کے دور کے لوگوں کو بھی اچھائی کی تعلیم دیتا ہے۔(8)

مردمومن اللہ تعالیٰ سے بے انتہا محبت کرتا ہے۔اور اپنی رضا کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے آگے تسلیم ختم کرتا ہے۔اور کوئی غلطی بھی اس سے سرزد نہیں ہوتی۔مردمومن گفتار و کردار کا آدمی ہے۔اسکا ظاہر و باطن ایک ہے۔(9)

مردمومن کی شان نرالی ہے۔اسکی سیرت طیبہؑ دنیا کے لیئے ایک آئینہ ہے۔دنیا میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں ہے۔جس میں تمام خصوصیات اور صلاحیتیں ہوں۔

ہر لحظہ ہے مومن نئی شان نئی آن گفتار میں، کردار میں۔اللہ کی برہان!(10)

کسی صحابیؓ کے حضور اکرمؐ کے بارے میں دریافت کیا تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا'' کہ آپؐ چلتے پھرتے قرآن ہیں۔مردمومن اس دنیا کا بھی لیڈر ہے۔

اور آخرت کا بھی لیڈر اور یہ پوری کائنات اللہ تعالیٰ حضور اکرمؐ کی خاطر تخلیق کی ہے۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن قاری نظر آتا ہے۔حقیقت میں ہے قرآن (12)

بلوچستان کے نوجوانوں کے لیئے علامہ اقبال کا پیغام:۔

علامہ اقبال کے مردمومن کے تصور میں بلوچستان کے نوجوانوں کے لیئے پیغام ہے۔بلوچستان پاکستان کا سب سے پسماندہ صوبہ ہے۔

علامہ اقبال بلوچستان کے نوجوانوں میں'' خودی'' کے جذبہ کو ابھارنا چاہتے ہیں۔کہ وہ اپنی صلاحیتوں کو بروقت پہنچائیں۔اور وہ اپنی زندگی کا مشن شاھین یا عقاب کی طرح رکھیں۔

بقول شاعر:

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے نوجوانوں میں نظر آتی ہے اُن کو اپنی منزل آسمانوں میں(13)

ہر نوجوان اپنی جگہ لیڈر ہے۔اور قوم کا علمبردار ہے۔قوم کو ترقی کی راہ ہر گامزن کرنے کیلئے نوجوانوں کو اپنا فعال کردار ادا

کرنا ہوگا۔

بقول شاعر:

نہیں تیرا نشیمن قصر سلطانی کے گنبد پر تو شاہین ہے۔بسیرا کر پہاڑون کی چٹانون میں (14)

نوجوانوں کو اپنی قائدانہ صلاحیتوں کو اجاگر کرنا چاہیئے۔

''واطیع اللہ واطیع الرسول''

ترجمہ:۔رسول اکرمؐ کی اطاعت میں ہی اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔(15)

''انا ارسلنک رحمتہ العالمین''

ترجمہ:۔بے شک ہم نے آپؐ کو تمام جہانوں کے لیئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔(16)

وہ دو جہانون کے سردار ہیں۔ان کی اخلاق مثالی ہے۔وہ ایک عظیم رہنما ہیں۔وہ غنی ہیں۔وہ ایسے بادشاہ تھے کہ جنکی زندگی فقر و فاقہ میں گرزاری اور کئی کئی دنوں تک ان کے گھر میں چولہا نہیں جلتا تھا۔العرض انکی مثال اس کا ئنات میں نہیں ملتی۔

حوالہ جات

(1)علامہ شبلی نعمانی٬سلیمان ندوی٬سیرت النبیؐ،(Vol.5)رفتہ بک پبلیشر،لاہور،صفحہ نمبر 545۔

(2)شیخ اسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری (2005)اقبالؒ کا مرد مومن،عنایح پبلیشر،لاہور،صفحہ نمبر 345۔

(3)ڈاکٹر آصف جاہ کاروانی (2004)اقبال کا فلسفہ فودی،اردو اکیڈمی سندھ (کراچی) صفحہ نمبر 151۔

(4)اقبال شریف کنجاہی (2006)گلشن راز جدید از علامہ اقبال (جائزہ)،نشاط پبلشرز،لاہور،صفحہ نمبر 431۔

(5)ڈاکٹر علامہ اقبالؒ (1935)بال جبریلؒ،تاج کمپنی،لاہور،صفحہ نمبر 66۔

(6) جانیہ یامین (2015) علامہ اقبال ایک انقلابی شاعر، یولن میگزین، پاکستان چین، صفحہ نمبر 4۔

(7) علامہ اقبال (1935) ارمقان حجاز، ایجوکیشنل ب ہاؤس، علی گڑھ، صفحہ نمبر 713۔

(8) ایم۔اے ڈار (1995) انسان کامل اور مرد مومن، سیر حسن پبلشرز، لا ہور، صفحہ نمبر 313۔

(9) آمنہ محسن (اپریل 2016) علامہ اقبال کا شاہین، امن پاکستان، لا ہور، صفحہ نمبر 5۔

(10) اقبالؒ عبدالرشید قاضی (1980) عترجم، اسرار خودی، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، صفحہ نمبر 55۔

(11) محمد ابکاری (846 A.D) کتاب، وجیہہ بخاری۔

(12) زید حامد، (2009) علامہ اقبالؒ کا تصور مرد مومن، آج کا پاکستان، صفحہ نمبر 5۔

***

زبان کی اساس، ساخت اور اردو

(ایک نیا زاویہ)

* ناہید خان

Base, Structure of language and Urdu A new angle

Naheed Khan

It is the law of nature a human being can not live all alone although he is happy he needs a group of people for his survival, because the moral, social and any other progress of society are impossible without it.and for a strong relationship between humanity communications are necessary. In group life most important thing for relationship, is communication and there is the only one tool to continue the communication with each other is language. There is a system which operates the minor unit of language which called,,word, In this article structure of human mind and language will be discussed and then URDU will be

* اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ گرلز پوسٹ گریجویٹ کالج کوئٹہ کینٹ

discussed from a new angle.URDU,is the solitary and lovely language.It has strong roots which are almost connected with every language of the sub continent.It was born and nurtured by different group

Key words: Base, structure..language

خلاصہ: یہ قانون فطرت ہے کہ انسان اکیلا نہیں رہ سکتا خواہ اس کی زندگی کتنی ہی خوش حال ہو،اسے زندگی گزارنے کے لیے انسانوں کی خواہش اور ضرورت ہوتی ہے۔گروہی نظام ہی سماج کی اخلاقی،معاشرتی اور ہر نوع کی ترقی کا ضامن ہوتا ہے۔گروہی زندگی کے نظام کو چلانے اور قائم رکھنے کے لیے سب سے اہم چیز آپس میں رابطہ ہے۔اس ربط کے لیے ابلاغ کا ہونا بہت ضروری ہے،ابلاغ کا سب سے بہترین ذریعہ زبان ہے۔یہ ایک ایسا آلہ ہے،جس کی مدد سے ابلاغ کو جاری رکھا جا سکتا ہے۔لکھی اور بولی جانے والی ہر زبان الفاظ پر مشتمل ہوتی ہے۔لفظ زبان ایک چھوٹی اکائی ہے۔بے ربط لفظوں سے فقرے بنتے ہیں۔جو ابلاغ یا اپنا مافی الضمیر بیان کرنے کا وسیلہ ہیں۔اب الفاظ سے فقرات خود بہ خود نہیں بنتے کوئی تو ایسا نظام ہے جو انسانی جسم میں جو اسے چلا رہا ہے۔اس نظام کو سمجھنے کے لئے انسانی ذہن اور زبان کی ساخت کی وضاحت ضروری ہے۔تا کہ ان کے درمیان تعلق کی نوعیت کا اندازہ لگایا جا سکے۔اس مقالے میں ان ہی نکات پر بالترتیب مختصر لیکن جامع بحث اور اردو زبان کا ایک نئے زاویے سے مطالعہ کیا جائے گا۔

کلیدی الفاظ :اساس۔ساخت،زبان

ذہن کی ساخت بیان کرنے سے پہلے دماغ اور ذہن کے فرق کو سمجھنا ہو گا۔دماغ کاسہ سر میں بھورے رنگ کا ایک مادہ ہے،گویا دماغ ایک ٹھوس شے کا نام ہے جب کہ ذہن مجرد یعنی ساخت ہے۔دماغ کی فعالیت کو ذہن کہتے ہیں۔ذہن غیر مادی شے ہے اسے دیکھا یا چھوا نہیں جا سکتا ذہن ایک فعالیت کا نام ہے ہماری زندگی کا کوئی پل

ایسا نہیں جب اس پر جمود طاری ہوا ہو یا ساکن ہو۔ بقول ٹچنر ''ذہن ہر لمحہ بدلتی ہوئی شے کا نام ہے'' اس کی فعالیت کے پیش نظر اسے بہتے ہوئے پانی سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جو کبھی نہیں رکتا۔ اس مختصر بحث کا نچوڑ یہ ہے کہ دماغ اہم نہیں بلکہ اس کی فعالیت (ذہن) اہم ہے۔

ذہن کی ساخت:

انسانی ذہن کی ساخت پر سب سے مستند نظریہ معروف ماہر نفسیات سگمنڈ فرائڈ کا ہے۔ اس نے اس نظریے کے ذریعے انسانی ذہن کی ساخت کو بہت آسان زبان میں بیان کر دیا ہے۔ ذہن دو حصوں میں سوچنے کا عمل مکمل کرتا ہے۔ ایک سوچ کا وہ عمل جو اسے موروثی طور پر منتقل ہوتا ہے دوم سوچنے کا وہ عمل جس کا تعلق گرد و پیش کے ماحول سے ہوتا ہے۔ اس عمل کو سگمنڈ فرائڈ نے تین مراحل میں بیان کیا ہے اس کے نظریے سے جو نتیجہ نکلتا ہے اس کے مطابق ذہن تین حصوں پر مشتمل ہے۔

۱۔ شعور (تکلم، ایک شعوری عمل جو ذہن کی مدد سے ہوتا ہے)

۲۔ تحت الشعور

۳۔ لا شعور (لسان، ذخیرۃ الفاظ)

شعور کا آسان ترین مفہوم موجودہ آگاہی یعنی وہ منظر جو آنکھوں کے سامنے ہو۔ اس منظر نامے کی ہر چیز کو بغور دیکھنا اور سمجھنا اور اس سے آگاہی حاصل کرنا شعور یا conciousess ہے۔ اس کے بعد والے ذہن کے حصے کے لاشعور کہتے ہیں۔ اسے deep part یعنی ذہن کا گہرا حصہ بھی کہا جاتا ہے۔ لاشعور میں شعور کے راستے جو خیالات معلومات اور تصورات پہنچتے ہیں وہ تحت الشعور میں آ کر دب جاتے ہیں، انہیں دبے ہوئے تصورات یعنی opressed ideas کہا جاتا ہے۔ یہ خیالات یا تصورات آسانی سے شعور میں واپس نہیں آسکتے، اس کی وجہ تحت

اشعور ہے ۔اسے ہم ان تمام تصورات اور خیالات کا نگران کہہ سکتے ہیں ۔ یہ وہ تصورات اور خیالات ہیں جو انسان کے ارمانوں، حسرتوں اور کمزوریوں پر مشتمل ہوتے ہیں جب ذہنی دباؤ حد سے بڑھ جاتا ہے تو یہ خواب میں روپ بدل بدل کر شعور کی سطح پر آجاتے ہیں ۔اور اس کا مدت سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔اس کو اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ بچپن میں اگر کسی نے ہمیں جسمانی یا ذہنی تکلیف پہنچائی ہو اور اس وقت ہم نے اس کا جواب نہ دیا ہو یا نہ دے سکتے ہوں اور ذہن اس کو بھول جانا چاہتا ہو تو بہت زیادہ خوف، ذہنی دباؤ کی وجہ سے وہ سانپ، کتا یا آگ کا روپ دھار کر خواب میں دکھائی دیتے ہیں ۔ یہ پریشان کن خیالات ہمارے دشمن ہیں اور تحت الشعور محافظ بن کر ہمیں ان سے محفوظ رکھتا ہے ۔

زبان کی ساخت:

زبان کی ساخت کے مباحث کے حوالے سے ناؤم چومسکی لکھتے ہیں،

ل ''زبان نامی صلاحیت ذہن کے/ دماغ کے دیگر اجزاء، مثلاً حسی و حرکی آلات(sensorimotor apparatu)سوچ، تصور اور دیگر ذہنی عملیات کے نظام، وغیرہ کے ساتھ 'مشترک' (interface) کا کام کرتی ہے۔''

زبان ذہن کی آلہ کار ہے ۔ہم زبان کے ذریعے ذہن کی سوچ کا اظہار کرتے ہیں ۔ذہن کے پاس اظہار کے لئے زبان سے زیادہ مستند کوئی دوسرا آلہ نہیں ۔لہذا زبان ذہن کی ضرورت ہے ۔زبان کی ساخت کو سمجھنے کے لئے ہمیں دو اصطلاحات کو سمجھنا ہوگا جنھیں 'سوسیئر'' نے استعمال کیا ہے ۔

ا ۔langue (لسان)

۲ ۔parole (تکلم)

لسان عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی زبان اور تکلم بہ معنی بات چیت/ کلام کرنا

مظاہر فطرت پر غور کریں تو کائنات کی کوئی بھی آپس میں جڑا ہوا نہیں ہے ۔لیکن ایک دوسرے سے منضبط

اور منسلک ہے اس طرح کوئی بھی زبان بہت سے الفاظ سے مل کر بنتی ہے جو اپنا ایک الگ تشخص اور معنی رکھتے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں اور یہ رشتہ اس نظام کا مرہون منت ہے۔ جس میں تضاد اور ارتباط دونوں موجود ہیں الفاظ کا یہ ہی تضاد اس سسٹم یا نظام کی خصوصیت ہے۔ اس تضاد کو کرن داؤد اپنے مقالے میں کچھ اس طرح بیان کرتی ہیں،

۲" زبان لفظوں کا انتہائی منظم سا حسابی نظام ہے۔ ہر لفظ کی دو سطحیں ہوتی ہیں ایک جو متعین کر دی گئی ہیں، دوسری وہ جو اجتماعی لا شعور کا حصہ ہوتے ہوئے غیر محسوس طریقے سے کام کرتی ہے۔ زبان کی کشادگی فرد کی تخیلاتی اپج اور اقوام کی ذہانت پر مشتمل ہوتی ہے۔ فکری سطح پر کسی لفظ کے جتنے معنی اخذ کیے جائیں گے زبان اتنی ہی بلیغ ہوگی"

اگر ہم ایک ہی لفظ کو مسلسل دہرائیں تو سننے والا اس سے کوئی مفہوم اخذ نہیں کر پائے گا یہاں سسٹم اپنا کام کرتا ہے۔ جیسے میز، میز، میز کہنے سے بات نہیں بنتی۔ نظام ہمارے لسان (langue) سے چند اور الفاظ کا انتخاب کرے گا اور زبان کے مروجہ قواعد وضوابط کے تحت ان میں ربط پیدا کر کے ایک قابل فہم جملہ بنائے گا۔ یہ ایک میز ہے ۔تو بات سمجھ میں آجائے گی منہ سے نکلنے والا ہر لفظ ایک الگ صوت بھی رکھتا ہے گویا ہر جملہ مختلف اصوات کا مجموعہ ہے ۔ان اصوات کو ہی ہم نے کسی نہ کسی چیز سے وابستہ کر رکھا ہے اور یہ صرف اصوات تک ہی نہیں ہے بلکہ مختلف اشاروں، لکیروں، علامات اور نشانات کو منفی اور مثبت خیالات کی ترسیل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے ٹریفک کے اشاروں کے رنگ، ریاضی کی علامات اور سروں کی علامات وغیرہ اگر غور کیا جائے تو آوازیں، علامتیں اور نشانات ایک زبان ہی تو ہیں۔ اس بحث پر گوپی چند نارنگ، سایر کے حوالے سے فرماتے ہیں،

۳" زبان صرف لفظوں کے ذریعے عمل آرا نہیں ہوتی، زبان کام کرتی ہے نظامِ نشانات، system of signs کی رو سے لفظ جس کا محض نظر آنے والا سرا ہیں۔ یہ "نظام نشانات" تجریدی ہے، اور لسانیات کا کام

اس نظام نشانات کے اصولوں اور کلیوں کو دریافت کرنا یعنی زبان کی کلی ساخت کو دریافت کرنا ہے۔''

ذہن، لسان اور تکلم اور زبان ایک دوسرے سے نتھی ہیں۔ آسان الفاظ میں اس ربط کی وضاحت یوں ہے کہ ذہنی خیالات اور سوچیں اپنے اظہار کے لئے زبان کو بہ طور آلہ استعمال کرتی ہیں۔ یہ خیالات مختلف اصوات/ الفاظ کی صورت میں ہمارے آلہ سماعت سے ٹکراتے ہیں اور جن کی ہم تفہیم حاصل کر لیتے ہیں، وہ لسان میں جا کر محفوظ ہو جاتے ہیں اور اس طرح لاکھوں کروڑوں الفاظ لسان میں موجود ہوتے ہیں جنہیں ہم موقع محل کے لحاظ سے پردہ شعور پر لا کر ایک جملے کی صورت میں استعمال کرتے ہیں یہ استعمال بولنے اور تحریر دونوں صورتوں میں ہوتا ہے۔ گویا لسان ذخیرہ الفاظ یا dictionary ہے۔ جیسے پہلے ہم نے ''میز'' کی مثال دی تھی کہ بے ربط الفاظ کو ربط قواعدِ زبان عطا کرتے ہیں۔ اب الفاظ کی ادائیگی (تحریری یا تکلم) ''پیرول/تکلم ہے۔ اس مکمل نظام ''کو لسانی ساخت'' کہتے ہیں۔ اس علم کا نفسیات سے گہرا تعلق ہے۔ نفسیات تمام ذہنی افعال کا جائزہ لیتی ہے۔ ان وظائف میں ادراک، استدلال، ذہانت اور تخیل شامل ہیں اور ذہن کی ساخت کے حوالے سے بحث پچھلی سرخی میں ہو چکی ہے۔ یہاں صرف ان وظائف پر حسبِ ضرورت بحث کی جائے گی۔

ادراک کی تعریف کے ضمن میں آسان الفاظ میں کہہ سکتے ہیں کہ حواسِ خمسہ کو جب ہم پہلے سے واقف چیزوں سے منسلک کرتے ہیں تو یہ ادراک ہے۔ مثلاً ہارن کی آواز سنتے ہی ہم سمجھ جاتے ہیں کہ یہ ہارن کی آواز ہے لیکن یہ بس، کار یا ٹرک کا ہے۔ ان کی پہچان استدلال کرواتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی تخیل میں اس شے کی تصویر ابھر آتی ہے جس کا یہ ہارن ہے۔ ادراک، استدلال، تخیل اور تفہیم کا یہ عمل انتہائی تیزی اور غیر محسوس طریقے سے میکانکی انداز میں وقوع پذیر ہوتا ہے۔ لسان اور تکلم بالکل اس اصول پر اور اتنی ہی سرعت سے کام کرتے ہیں۔ لفظ لسان میں اس وقت تک ذخیرہ نہیں ہوتا جب تک کہ ہم اسے سمجھ نہ پائیں۔ ان دونوں اصطلاحوں کے بیچ کی منطق کو سمجھنے کے لئے شاعری سے بہترین مثال لی جا سکتی ہے۔ شاعر کے ذہن میں کوئی منظر ابھرتا ہے تو شاعر قواعد وضوابط کے مطابق اپنے ذخیرۂ الفاظ کی مدد

سے ایک خوبصورت شعر تخلیق کرتا ہے ،جسے ہم اصطلاحاً ''آمد'' کہتے ہیں ۔اس لئے اب ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ لسانی ساخت ایک نفسیات موضوع بھی ہے ۔ذہنی قوی و وظائف کے ساتھ لسان اور تکلم کی مدد سے ایک تخلیق سامنے آئی ۔خلیل اس حوالے سے رقم طراز ہیں،

۴؎ ''زبان کبھی اتنی مکمل اور جامع حیثیت اختیار نہیں کرتی کہ خیالات و افکار کی کماحقہ نمائندگی اور ہو بہو عکاسی کر سکے،الفاظ اور محاورے تو خیالات کے اشارے ہوتے ہیں ۔ان کی حیثیت تو ایک ماہر اسکیچ بنانے والے کی پنسل کے نقوش سے زیادہ نہیں ،ان نقوش کی معنویت اور رنگ آمیزی دوسری طبیعتوں اور اذہان کے کرشمے ہیں۔''

زبان کی کروٹ (عہد بہ عہد):

زبان کے آغاز اور اس کی قدامت کا مطالعہ کریں تو چومسکی کے فلسفے میں زبان کے وجود کا سراغ کچھ یوں ملتا ہے کہ جب اس دنیا میں کوئی زبان نہیں تھی تب بھی انسانی ذہن تو کام کر رہا تھا۔سوچنے کی صلاحیت تو موجود تھی ۔اگر چہ محدود سرگرمیوں کی وجہ سے یہ ایک محدود عمل تھا۔آہستہ آہستہ جب دنیا پھیلتی گئی اور انسانوں کی تعداد میں اضافہ ہوا آپس میں رابطے کے لیے اس نے کچھ بے ربط آوازوں اور اشاروں کا سہارا لیا۔وقت کے ساتھ ساتھ اس نے ان میں رابطہ استوار کیا اس طرح زبان اپنا ارتقائی سفر طے کرتی ہوئی اس نہج پر پہنچی جو آج ہمارے سامنے ہے دنیا کی ساری زبانیں اسی طرح وجود میں آئیں ۔زبان کے ارتقائی مطالعہ کے لئے اسے تین ادوار میں تقسیم کرتے ہیں ۔

یورپ میں ''علم اللسان'' کے ارتقاء سے پہلے اٹھارویں صدی تک آغاز زبان کے حوالے سے الہیاتی نظریہ ہی عام رہا دنیا میں جتنے بھی مذاہب ہیں ان سب کے پیروکار ہے چیز کو مذہبی نقطئہ نظر سے دیکھتے ہیں اکثر ممالک میں یہی رجحان ایک نظریہ بن کر زبان کے سلسلے میں عام رہا۔اس مذہبی رجحان کی بدولت عہد قدیم میں زبان جنتر منتر کا مجموعہ ہوتی تھی الفاظ کو مقدس مانا جاتا تھا۔جس کی بنیاد پر زبان قابل فہم ہوتی تھی ۔یہ مقدس جادوائی اثرات زبان کے

اندر پیوست تھے اور اسے کرامت یا جادو کی طرح اثر کرنے والی چیز مانا جاتا تھا۔اس کی بہترن مثالیں مقدس نام ،جنتری ،مقدس تحریرات ،فال نامہ اور زائچے وغیرہ لیکن ایک جرمن مفکر هوڈر نے اس پر سب سے پہلے اعتراض کیا اور اس کے لئے اس نے دلیل دی اپنے ایک مضمون ''زبان کا آغاز ۱۹۷۲ع'' میں لکھتا ہے،

۵؎ ''اگر زبان تخلیق ربانی ہوتی تو زیادہ منطقی، منظم، جامع اور بلیغ ہوتی انسانی زبانوں جو بے قاعدگی، بے ڈھنگا پن اور تشنگی ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ زبان انسان ہی کا کرشمہ ہے۔''

زبان اور ذہن کی ساخت کی روشنی میں اس اقتباس سے ایک نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ آغازِ زبان کا مسئلہ خالص علمی ہے اور اس کا تعلق فلسفہ لسان سے ہے۔اور معلوم تاریخ کی استطاعت سے باہر ہے۔اس مسئلے کو فلسفے نے حل کیا۔زبان کے ارتقاء سے اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ اس کی اولین صورت اشاراتی ہوگی لیکن ہمارے سامنے اس وقت زبان کی صوتی اور لفظی صورت ہے۔

زبان کے ارتقائی سفر کی دوسری منزل کو ماہرِ لسانیات کہتے ہیں اس کا آغاز ''مادے''(Rotts) سے ہوا ہے۔اسکی وضاحت کے سلسلے میں خلیل صدیقی نظریہ مادہ ''Rot theory'' سے مدد لیتے ہیں وہ لکھتے ہیں،

۶؎ ''نظریہ مادہ کی مستحکم بنیاد، گرامر کے عناصر کے تاریخی ارتقاء کے نظریے سے استنباط کی ہوئی منطقی ضرورت پر استوار ہوئی ہے۔''

تاہم وھٹنے خود اپنے اس نظریے سے زیادہ مطمئن نہیں،اس منزل پر گردان اور تصریف کے اختتامیے اور مشتقات کے سابقے مستقل کلمے ہوتے تھے جو دوسرے کلموں کے ساتھ استعمال ہوتے تھے۔تاریخ کی کروٹ نے ان کے الگ تشخص کو ختم کر دیا اور وہ قواعد کے رشتوں کی صرف علامت بن کر رہ گئے۔جیسے بے،نما،اور ناوغیرہ۔وھٹنے نے زبان کی اسی منزل کو مادہ سے تعبیر کیا ہے۔

اس کے بعد زبان کی تاریخ ایک خاص موڑ پر صرفی اور نحوی سانچے میں ڈھلتی چلی گئی۔حتی کہ ایک ایسی

زبان وجود میں آئی جو شاعرانہ تخیلات اور فلسفیانہ افکار کی ایک حد تک ترجمانی کر سکتی تھی زبان کے اس دور کو بجا طور پر گرامر کا دور کہا جاتا ہے۔اور اس طرح زبان کے باریک استعمالات وجود میں آئے،حقیقت اور مجاز کی ایک نئی تقسیم ہوئی،مبالغے کے لیے مجاز کے نئے پیرائے کو استعمال کیا گیا اور سادہ بیان کے لیے لفظ کے حقیقی معنوں کو پیشِ نظر رکھا گیا۔ے۔

عہد بہ عہد تبدیلی کے اہم نکات:

زبان کے ارتقاء اور اس سے متعلق مختلف مفکروں کے نظریات اور اہل زبان کے اس علمی مباحث کے مطالعہ کے بعد چند اہم نکات سامنے آتے ہیں۔زبان کے بارے میں یہ نظریہ بہت معروف تھا کہ زبان ایسے الفاظ کا مجموعہ ہے۔جن کے ذریعے اشیاء کے نام رکھ کر انہیں پہچان دی جاتی ہے۔آج یہ نظریہ رد کیا جا چکا ہے کیوں کہ زبان تو اشیاء سے پہلے ہے اس کا کام نام دینا نہیں ہے بلکہ ان کے تصورات میں فرق کے رشتوں کے ذریعے شناخت قائم کرنا ہے۔یہ نظریہ بھی رد ہو چکا کہ زبان ایک ماروائی صلاحیت کے ساتھ کارگر ہوتی ہے۔گرامر کے دور میں زبان نے حقیقت اور مجاز کو بالکل الگ کر دیا۔اور سادہ بیانی کی روایت کو جنم دیا۔

اردو میں انطباق:

تمام بحث کے بعد اب تک کی تحقیق کی بنیاد پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ زبان کے وجود کا سراغ چومسکی کے فلسفے میں ملتا ہے۔اس کے مطابق جب دنیا میں کسی بھی قسم کی زبان نہیں تھی یعنی اشاراتی تحریری اور تکلم اس وقت بھی ایک عمل مسلسل ہو رہا تھا۔انسانی سوچ کا عمل،سوچ کی یہ صلاحیت اس وقت بھی انسان کے پاس تھی جب زبان کی کوئی بھی حالت نہیں تھی اس وقت اس کی سرگرمیاں محدود تھیں۔اس لیے سوچ بھی محدود تھی اور طبی سائنس نے یہ ثابت کیا ہے کہ دماغ کا نصف سے زیادہ حصہ سوچنے کا کام کرتا ہے۔سوچ انسان کے ساتھ ماضی،حال اور مستقبل ہر زمانے سے جڑی چلی آرہی ہے۔اس عمل میں اس وقت رکاوٹ پیدا ہوئی۔جب سوچ کے عمل کے بعد انسانی ذہن ایک نتیجے پر پہنچ تو گیا

لیکن اس کے اظہار کے لیے اسے کوئی ذریعہ میسر نہیں تھا۔اس وقت انسان نے اپنے جغرافیائی خدوخال کے پس منظر میں رہتے ہوئے اپنے عضلاتی نظام کی حدود میں رہتے ہوئے چند بے ربط آوازوں کی مدد سے سوچ کا اظہار شروع کیا۔انہی آوازوں نے سائنسی عمل کی مدد سے پہلے حرف پھر لفظ اور پھر بامعنی جملے تشکیل دیے۔وہ سائنسی عمل انسانی ذہن اور اس کی فعالیت ہے۔

انسانی ذہن دو حصوں میں جزوی طور پر سوچ کا عمل مکمل کرتا ہے۔اول سوچ کی وہ صلاحیت جو اسے وراثت میں منتقل ہوتی ہے۔دوم سوچ کا وہ عمل جس کا تعلق اس کے گردوپیش کے ماحول سے ہوتا ہے۔یعنی جب انسانی ذہن نے ان بے ربط آوازوں پہلے حرف پھر لفظ اور بامعنی جملوں کی تشکیل کا عمل مکمل کیا تو اس ارتقائی عمل سے زبان تحریری طور پر وجود میں آئی۔ یہ تجزیہ زبان کی اساس کے عوامل فراہم کرتا ہے۔جن پر تفصیل سے بحث ہو چکی ہے۔ یہاں صرف ربط کے لئے اجمالی جائزہ لیا جائے گا۔زبان کے اساسی عوامل یہ ہیں،۱۔ذہنی عمل،۲۔سوچ اور اس کے اظہار کی ضرورت ۳۔مخصوص خطوں کے افراد کا عضلاتی نظام،۴۔عضلاتی نظام کے تابع آوازوں کی ادائیگی کا سائنسی نظام،۵۔ذہنی کارکردگی میں موروثیت کا اثر،۶۔ذہنی کارکردگی پر جغرافیائی اور سماجی عوامل (ماحول) کے اثرات،۷۔عضلاتی نظام،جغرافیائی،سماجی اور موروثی حالات اور زبان کا آغاز وارتقاء اردو بھی اسی اصول کے تحت وجود میں آئی۔اردو کی ابتداء اور ارتقا کے حوالے سے کئی نظریے پیش کیے گئے۔کسی نے پنجاب میں اردو کسی نے بنگال میں کسی نے سندھ اور کسی دکن میں اردو کا نظریہ پیش کیا تو کسی نے اسے لشکری زبان کہا،اس کے لیے دلائل بھی پیش کیے جیسے جیسے تحقیق کا سفر آگے بڑھا ویسے ویسے پرانے نظریات رد ہو کر نئے سامنے آنے لگے۔

آج بیشتر ماہر لسانیات کم از کم اردو کی حد تک اس بات پر متفق ہیں کہ اردو برصغیر میں بہلی جانے والی زبانوں کے اختلاط کی وجہ سے اس زمین پر وجود میں آئی اور یہ ہی اس کی جنم بھومی ہے۔اس کا اپنا بیج اس زمین میں پیوست تھا۔کہیں باہر سے اس کی پیوندکاری نہیں ہوئی ہے۔ یہ کہا جا سکتا ہے کی اس کی بہترین انجذابی صلاحیت نے اس کے

رنگ روپ میں بدلاؤ پیدا کیا۔کوئی سماجی تبدیلی کسی بھی علاقے کی زبان کو سب سے پہلے متاثر کرتی ہے۔مختلف حملہ آوروں کی صورت میں خطے میں بہت ساری تہذیبیں اور زبانیں وارد ہوئیں۔جو ایک مخصوص وراثت اور لچک دار عضلاتی نظام کی مالک تھیں۔ان کے آپسی رشتوں نے جنیاتی نظام ایک دوسرے میں منتقل کیا چوں کہ بادشاہت تھی لہذا عوام حکمرانوں سے دور ہو کر صوفیا کے قریب ہو گئے اور صوفیا نے لسانی ہم آہنگی پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔اور فرد نے روزمرہ کے ساتھ مذہبی عقائد کے پرچار میں ان کو برتا۔برصغیر ایک ایسے خطے میں واقع ہے جسے قدرت نے ہر موسم اور ہر نظارے سے نوازہ ہے۔کہیں ہریالی تو کہیں ریگستان کہیں پہاڑی سلسلے تو کہیں لمبے چوڑے ساحل اور ان میں بسنے والے قبائل مختلف بودو باش رکھنے کے باوجود ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں۔

اردو نے اپنی انجذابی خوبی کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے ان تہذیبوں کو زبان کی شکل میں اپنے اندر سمویا اور یہیں پر اسے زبان کا درجہ حاصل ہوا۔اس کی اصل ساخت وسرشت کا سراغ مل کر بھی نہیں ملتا،اس کی لسانی شناخت کو انگریزوں کی آمد کے دورانیے سے جوڑا جاسکتا ہے۔مغلوں کے زوال کے آغاز تک ایک زبان کا روپ دھار چکی تھی اور اسے سرکاری سرپرست بھی حاصل ہوگئی تھی کہ حاکم وقت خود اسی زبان کا شاعر تھا۔اس کا جانا اور انگریز کا آنا اس کے لئے ارتقاء کا باعث بنا،اس سلسلے میں کرن داؤ دلکھتی ہیں،

> ۸؎"علامہ عبداللہ نے ۱۷۷۳ء سے ۱۸۱۸ء تک کے عہد کو انگریزی سلطنت کے استحکام کا دور بتایا ہے،جس میں ان کے مفادات زیادہ تر سیاسی نوع کے تھے لیکن تمدنی تغیرات کا ڈول بھی اس عہد میں پڑا تھا"

اور مختلف تہذیبوں نے مل کر زبان کو وسعت دی انگریزی سرکار نے فورٹ ولیم کالج قائم کر کے اسے سرکاری کمک بھی مہیا کردی اور پھر اس نے سرکاری سرپرستی میں پھلنا پھولنا شروع کردیا۔گلی محلوں میں بازاروں اور کاروباری حلقوں میں اس کا طوطی بولنے لگا۔جیسی یہ خود شیریں اور گداز ہے اس نے مختلف ثقافتوں کو بھی شیر وشکر کر دیا اسی گھلاؤ رچاؤ

نے اردو زبان کو جو وسعت عطا کی اس کے بارے میں گوپی چند نارنگ لکھتے ہیں،

۹" اردو میں ایسی مثالوں کی کمی نہیں جہاں لفظ ملتے جلتے ہیں لیکن معنی الگ الگ ہیں۔۔۔۔دادا مقامی لفظ ہے، ہندی اور بنگالی میں بڑے بھائی کو دادا کہتے ہیں، جب کہ اردو میں باپ کے باپ کے لیے مستعمل ہے۔۔۔اسی طرح مناجات اردو میں دعا کے لیے، عربی میں خود کلامی یا سرگوشی کے لیے معنی کسی فی نفسہ قدر یا صفت کی بنا پر نہیں بلکہ چلن اور رواج سے قائم ہوتے ہیں۔"

اردو کے اصل گھر اور اس کے گرد و پیش کا ماحول ذہن کے سوچنے کا باعث بنا جس میں ان علاقوں کی موروثیت یعنی نا تبدیل ہونے والے پہلو شامل ہیں۔اردو اپنے ماحول کی مکمل نمائندہ ہے۔

دنیا میں انسان کی سب سے قیمتی میراث "زبان" ہے۔تمام ذہنی، تہذیبی، اخلاقی اور روحانی مظاہر اسی کے مرہونِ منت ہیں۔زبان کے سائنسی مطالعے کے رجحان نے لا محدود مباحث کا آغاز کر دیا ہے۔جس نے اس کی ساخت، سرشت کے حوالے سے بہت سے مبہم نکات کو واضح کر دیا ہے۔زبان، لسان اور اس کی ساخت کے مباحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔یہ ایک علمی مسئلہ ہے جس کا حل صرف فلسفے کی مدد سے نکالا جاسکتا ہے۔زبان ایک ایسا بہتا دریا ہے جو کبھی نہیں رکتا۔زبان کبھی نہیں مرتی تاوقت کہ اس کے بولنے والے ہی نہ رہیں۔اس نظریے کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو اردو زبان بولنے والوں کی تعداد روز افزوں مستقبل کے روشن امکانات کی دلیل ہے۔مقالے کا مقصد زبان اور اردو زبان کے روایتی موضوعات سے بغاوت کی ایک ادنی کاوش تاکہ آنے والے محققین اور نقاد زبانوں کو انوکھے زاویوں سے پرکھنے کی جانب مائل ہوں۔

حوالے

۱۔چومسکی، ناوم، powers and prospects، ترجمہ، ورلڈ آرڈر کی حقیقت، اہتمام فرخ سہیل گوئندی، ۲۰۱۴ء پبلی کیشنز ص، ۵۰

۲۔داؤد، کرن، پی ایچ ڈی اسکالر، جامعہ بلوچستان، ریسرچ پیپر، اردو کے لسانی اور ثقافتی ماحول کا مطالعہ ۳۔نارنگ، گوپی چند، ساختیات

پس ساختیات، ۱۹۹۴ء، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص، ۶۶

۴۔ صدیقی، خلیل، زبان کا ارتقاء، اشاعت دوم ۲۰۰۰ء، قلات پریس کوئٹہ، ص، ۲۳

۵۔ صدیقی، خلیل، زبان کا ارتقاء، اشاعت دوم ۲۰۰۰ء، قلات پریس کوئٹہ، ص، ۲۷

۶۔ صدیقی، خلیل، زبان کا ارتقاء، اشاعت دوم ۲۰۰۰ء، قلات پریس کوئٹہ، ص، ۲۰

۷۔ ان معلومات کے حصول کے لئے ''علامہ تفتازانی'' کی تصانیف ''دسوقی'' اور ''مختصر المعنیٰ'' سے استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ کتابیں عربی زبان میں ہیں لہذا رہنمائی کے لئے پروفیسر سید شفیع آغا سے مشاورت کی گئی جو اس وقت ڈگری کالج کوئٹہ میں تعینات ہیں۔

۸۔ داؤد، کرن، پی ایچ ڈی اسکالر، جامعہ بلوچستان، ریسرچ پیپر، اردو کے لسانی اور ثقافتی ماحول کا مطالعہ

۹۔ نارنگ، گوپی چند، ساختیات پس ساختیات، ۱۹۹۴ء، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ص، ۶۹

کتابیات

۱۔ چومسکی، ناوم، powers and prospects، ترجمہ، ورلڈ آرڈر کی حقیقت، اہتمام فرخ سہیل گوئندی، ۲۰۰۱ء پبلی کیشنز

۲۔ داؤد، کرن، پی ایچ ڈی اسکالر، جامعہ بلوچستان، ریسرچ پیپر، اردو کے لسانی اور ثقافتی ماحول کا مطالعہ

۳۔ صدیقی، خلیل، زبان کا ارتقاء، اشاعت دوم ۲۰۰۰ء، قلات پریس کوئٹہ

۴۔ صدیقی، خلیل، زبان کا ارتقاء، اشاعت دوم ۲۰۰۰ء، قلات پریس کوئٹہ

۵۔ صدیقی، خلیل، زبان کا ارتقاء، اشاعت دوم ۲۰۰۰ء، قلات پریس کوئٹہ

۶۔ نارنگ، گوپی چند، ساختیات پس ساختیات، ۱۹۹۴ء، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

۷۔ نارنگ، گوپی چند، ساختیات پس ساختیات، ۱۹۹۴ء، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور

***

کلامِ زکی میں فکری و فنی محاسن

*ڈاکٹر محمد اعجاز تبسم

Intellectual and artistic merits in Kalam-e-Zaki

Dr. Muhammad Ijaz Tabasum

It is the fruit of Zaki's eloquence and sweet eloquence that he is counted among some of Ghalib's most valuable students.His poetry is a transparent mirror in which the reflection of Ghalib's style of speech is clearly visible.However, to a certain extent, Ghalib's use of vibrant melodies and special colors of Taghzal is the best proof of his artistic skill and literal craftsmanship.Kalam Zaki contains essay writing, excellent ideas, rare expressions, delicate ideas, precision, eloquence and rhetoric, literary and poetic terms, proverbs, similes and metaphors, Persian techniques, love songs, easy abstinence, polite style, fluency and fluency.The use of wordplay and the proper placement of inventions and

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، گیریژن یونیورسٹی، لاہور

metaphors are so meticulous that we have to appreciate his eloquence. This article will cover the above topics.

Key words: literary and poetic terms,Zaki,eloquence

غالبؔ اپنے عہد کے ایک نامور نابغۂ روزگار تھے۔ انھوں نے اُردو ادب کے لیے جو خزانہ پیش کیا وہ آج بھی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ ان کے سامنے اُس عہد کے سینکڑوں شعرا نے زانوئے تلمذ طے کیا اور اُردو شاعری کے آسمان پر جگمگائے۔ انھیں میں غالبؔ کے ایک نامور شاگرد رشید سید محمد زکریا خاں زکیؔ دہلوی بھی تھے، جنھوں نے غالبؔ سے فیض پایا اور اس پر فخر کا اظہار کیا۔

"بارہ سال کی عمر میں غالب کا آستانہ بوس ہوا اور فن شاعری میں شرفِ شاگردی حاصل کیا۔ چنانچہ حضرت مغفور کی حیات تک اُن کے مے خانے کا پیالہ پینے والا رہا۔"(۱)

دیوان زکیؔ میں مشمولہ تقریظ میں مرزا اسد اللہ خاں غالب نے انھیں اپنا شاگردِ رشید کہا ہے۔ انھوں نے 1288ھ بمطابق 1839ء دہلی جیسے معروف تہذیبی شہر میں اپنی آنکھیں کھولیں۔ آپ کا تعلق نوابین ریاست اور علمی و ادبی گھرانے سے تھا۔ نواب سید محمود خاں نبیرہ اور نواب اعظم الدولہ میر محمد خان سرور مؤلف "تذکرہ شعرائے اُردو سادات کشمیر" آپ کے عزیز و اقارب میں سے تھے۔

سر سیّد راس مسعود "انتخاب زریں" میں زکیؔ کا تعارف ان الفاظ میں کرواتے ہیں:

"سید محمد زکریا خاں صاحب خلف سید محمود خاں نبیرہ نواب اعظم الدولہ میر محمد خاں سرور دہلوی مؤلف تذکرہ شعرائے اُردو سادات کشمیر سے تھے۔ ۱۲۸۸ھ مطابق ۱۸۳۹ء دہلی میں پیدا ہوئے۔ فن شاعری میں مرزا غالب کے شاگرد تھے۔ ان کو مرزا غالب نے اپنی تحریر میں جو زکیؔ کے مطبوع دیوان میں شامل ہے اچھا شعر کہنے والا اور اپنا شاگرد رشید لکھا ہے۔"(۲)

زکی، سید محمد زکریا خان دہلوی ۱۸۳۹ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔(۳) مالک رام نے "تلامذۂ غالب" میں لکھا ہے کہ اصل میں یہ خاندان کشمیری تھا اور یہ لوگ دہلی کے مشہور محلّہ زینت باڑی میں رہا کرتے تھے۔ زکی کی تعلیم بھی وہیں ہوئی۔ زکی کی بیوی کا نام مریم بیگم تھا۔ مریم بیگم نے ۱۹۶۰ء-۱۹۶۱ء میں رحلت کی۔ ان کے بطن سے پانچ بیٹے سید ذوالفقار رضوی، سید ابوالقاسم رضوی، سید حامد حسن رضوی، سید عنایت حسین رضوی، سید ولایت حسین رضوی اور ایک بیٹی ہوئے۔

زکی کو شاعری وراثت میں ملی تھی۔ ان کے والد سید محمود خاں محمود بھی صاحب دیوان شاعر تھے۔ زکی، نواب اعظم الدولہ میر محمد خاں بہادر معظم جنگ کے نواسے اور نواب صاحب کے بھائی کے پوتے تھے۔ اعظم الدولہ کے خاندان کا تعلق غالبؔ سے بھی رہا ہے۔

زکی فن شاعری میں تو باقاعدہ طور پر غالبؔ ہی کے شاگرد تھے لیکن مولانا صہبائی اور پنڈت رام کشور بسمل کے علوم درسیہ میں شاگرد تھے۔(۴) جہاں تک زکی کے تلامذہ کا تعلق ہے تو اُس دور کے بہت سے نامور شعرا نے زکی سے سلسلہ تلمذ باندھا اور فیض حاصل کیا۔ ان میں مولوی حشمت اللہ حشمت، ایم اے کلکٹر صوبہ جات متحدہ، پنڈت جواہر ناتھ کول ساقی، اختر صدیقی، اسیر بدایونی، نازش، محمد مبین بدایونی، تولا حسین تولا اور مولوی سید احمد دہلوی (مؤلف فرہنگِ آصفیہ) اہم ہیں۔

زکی کا اُردو دیوان اُن کی زندگی میں ہی "دیوانِ زکی" کے نام سے شائع ہو چکا تھا۔ ان کے ایک چچازاد بھائی سید میر حسن رضوی بھی تھے۔ سید مسعود حسین شہاب دہلوی (مدیر الزبیر)، بہاول پور (پاکستان) انھیں سید میر حسن رضوی کے پوتے تھے۔ میر حسن رضوی اخبار خیر خواہ عالم اور مطبع رضوی کے مالک تھے۔ زکی کا دیوان پہلی مرتبہ اسی مطبع سے سید میر حسن کے زیر اہتمام ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ بمطابق جون ۱۸۹۵ء میں شائع ہوا۔(۵)

زکی کے اس اُردو دیوان کے علاوہ بھی ان کا کافی غیر مطبوعہ کلام ہے جو کہ اُن کے خاندان کے پاس ہنوز محفوظ ہے۔

یہ زکی کی قادر الکلامی اور خوش بیانی کا ثمر ہے کہ اُن کا شمار غالبؔ کے چند قابل قدر اور مخصوص تلامذہ میں کیا جاتا ہے۔ (ماہنامہ نگار ۱۹۳۵ء) میں نیاز فتح پوری کا ایک مقالہ "اُردو شاعری پر تاریخی تبصرہ" شائع ہوا تھا۔ اس میں نیاز فتح پوری نے اُردو شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے غالبؔ کے قابل ذکر شاگردوں میں زکی کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے اس مقالے کے علاوہ زکی کا ذکر "عہد بہ عہد اُردو زبان و شاعری کا ارتقا" اور "ہر دور کے قابل ذکر شعرا میں" کر کے انھیں حیاتِ جاوداں بخشی ہے۔ زکی کی شاعری ایک ایسا صاف وشفاف آئینہ ہے جس میں غالب کے طرزِ سخن کا پرتو صاف نظر آتا ہے۔ بہرکیف ایک خاص حد تک غالبؔ کے نشاطیہ آہنگ اور مخصوص رنگ تغزل کو برتنا ان کی قادر الکلامی اور لفظی صنعت گری کا بہترین ثبوت ہے۔

کلامِ زکی میں مضمون آفرینی، خیال آفرینی، ندرت بیان، نازک خیالی، دقت پسندی، فصاحت و بلاغت، صنائع و بدائع کا موزوں محل استعمال، محاورات، ادبی اصطلاحات اور فارسی تراکیب کا متناسب استعمال گو غالبؔ کے ہم پلہ نہ سہی تاہم انھیں اپنے معاصرین شعرائے اُردو غزل میں امتیازی حیثیت ضرور عطا کرتا ہے۔ وہ غالب کے مقلد کی صورت میں جلوہ گر ہو کر دیگر تلامذۂ غالب کی بہ نسبت بہ رنگِ غالب غزل کہنے کا گُر بخوبی جانتے ہیں۔ کلامِ زکی اپنے فکری وفنی محاسن اور لفظی بازی گری سے قطع نظر اپنی معنویت کے لحاظ سے کلامِ غالب کے پہلو بہ پہلو ایک مخصوص نہج پر متوازی صورت میں چلتا ہے مگر غالب کی پرواز عمودی ہے۔

اس دعوے کی صداقت کا اندازہ ان مستند اہلِ قلم کی آرا اور دیوانِ زکی کی شعری امثال سے بخوبی ہوتا ہے۔

لالہ سری رام لکھتے ہیں:

"حق یہ ہے کہ مرزا غالب کے شاگردوں میں حضرت زکی سے زیادہ کسی نے اُن کا رنگ نہیں برتا۔ اُن سے زیادہ کوئی اُن کے رنگ کی تقلید میں کامیاب نہیں ہو سکا۔" (۶)

محمد جمیل احمد "اُردو شاعری کی مختصر تاریخ" میں لکھتے ہیں:

"نواب سید محمد زکریا خاں رضوی المتخلص بہ زکیؔ اپنے زمانہ کے ایک عالم شخص تھے۔ متعدد علوم میں دستگاہ رکھتے تھے۔ زکیؔ کا شمار غالب کے نہایت مقتدر تلامذہ سے ہے۔ ان کے کلام میں غالب کا بہت کچھ رنگ موجود ہے۔ خیال آفرینی اور ندرت بیان ان کے کلام کے جوہر ہیں۔" (۷)

نیاز فتح پوری ماہنامہ "نگار" میں زکیؔ کے متعلق یوں رقمطراز ہیں:

"غالب کا رنگ اُن کے کلام میں بہت رچا بسا ہے۔" (۸)

مالک رام "تلامذۂ غالب" میں لکھتے ہیں:

زکیؔ بڑے قادر الکلام شخص تھے۔ بہت مشتاق اور نازک خیال شاعر تھے۔ استاد کے کلام کی بعض خصوصیات مثلاً مضمون آفرینی، دقت پسندی، فارسی تراکیب وغیرہ کو اُنھوں نے نبھانے کی کوشش کی ہے اور اس میں بہت حد تک کامیاب بھی رہے۔" (۹)

کلامِ زکیؔ پر غالبؔ کے اثرات جا بجا نظر آتے ہیں۔ زکیؔ نے غالبؔ کی زمینوں میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ ان کے موضوعاتِ شعری برجستہ، جامع، پُرمغز اور معنویت سے بھرپور ہیں۔ یہاں تپِ ہجراں، زکاتِ حسن، ساز و برگ، داغِ جگر، کاسۂ گدائی، درخورِ تعزیر، نگہِ ناز جیسے معنی خیز الفاظ و تراکیب ان کے استادِ فن ہونے کا پتا دیتے ہیں۔ انھوں نے سراپا محبوب سے لے کر عاشق زار کی اضطرابی کیفیات، ہجر و فراق کے صدمات، نارسائی کا دکھ، جور و ستم اور محبوب کے ناز و ادا کو خونِ دل میں ڈبو کر اس فکری بصارت و بصیرت کے ساتھ پیش کیا ہے کہ قاری ان کی تقدیم و تحسین کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ الغرض کلامِ زکیؔ میں عشق کے راز و نیاز، انسانی حیات کے متنوع رُخ، زندگی کی پُرکیف ساعتیں، محبت کے رنج و الم، ہجر کی الم سامانیاں، محبوب کی جلوہ آرائی، ناز و ادا، ستم ظریفی، بے اعتنائی اور وصالِ محبوب کی لذتوں کا بیاں قاری کو روح پرور سحر بخشتا ہے۔

غالبؔ:

سراپا رہنِ عشق و ناگزیرِ الفتِ ہستی عبادت برق کی کرتا ہوں اور افسوس حاصل کا(۱۰)

زکیؔ:

وہ آئے دیکھنے کو مہربان ہو کر گئے برہم تپِ ہجراں میں تھا گویا تماشا برق حاصل کا(۱۱)

غالبؔ:

زکاتِ حسن دے، اے جلوۂ بینش، کہ مہر آسا چراغِ خانۂ درویش ہو کاسہ گدائی کا(۱۲)

زکیؔ:

تجمل اللہ اللہ ساز و برگ بے نوائی کا کہ مثل مہر ہے داغ جگر کاسہ گدائی کا(۱۳)

غالبؔ:

مانع دشت نوردی کوئی تدبیر نہیں ایک چکر ہے مرے پاؤں میں زنجیر نہیں(۱۴)

زکیؔ:

ضعف عزت ہے کہ میں در خور تعذیر نہیں طوق گردن میں نہیں پاؤں میں زنجیر نہیں(۱۵)

ہم طرح غزلوں کی طرح زکیؔ کے ہاں غالبؔ کے ہم مضمون اشعار بھی ملتے ہیں:

غالبؔ:

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں(۱۶)

زکیؔ:

کیا اعتماد ہے نگہِ ناز پر انھیں برہم ہیں اور ہاتھ میں خنجر نہیں ہنوز(۱۷)

زکیؔ نے اپنی شاعری میں غزل کی عشقیہ روایت کو بھی برقرار رکھا ہے اور جگہ جگہ پر عاشقانہ مضامین نظم کیے ہیں:

وصل کی شب ہائے دل میں شوق و ارماں کا ہجوم اور اُس کا ناز سے کہنا کہ اب آتی ہے نیند(۱۸)

محبوب کے حُسن کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

تمہارے ابرو و عارض کا یہ تماشا ہے کہ ایک وقت میں ہو بدر بھی ہلال بھی ہو(۱۹)

ڈاکٹر انور سدید اپنی کتاب "اُردو کی مختصر تاریخ" میں زکیؔ کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"زکیؔ متوفی (۱۹۰۳ء) نے غزل کی عشقیہ روایت کو قائم رکھا، تلمیذ غالب ہونے کے ناطے اُن کی شاعری میں غالب کا آہنگ زیادہ ہے۔"(۲۰)

کلامِ زکیؔ میں فکری و فنی محاسن

لکھنوی دور میں اگرچہ دہلوی دور کے برعکس صنعت گری کا رواج زیادہ نہیں تھا۔ اس کے باوجود ہمیں دہلوی شعرا کے ہاں بھی صنعت گری کے نمونے ملتے ہیں۔ زکیؔ نے بھی اپنے عہد کے اثرات کو قبول کیا۔ "دیوانِ زکیؔ" میں ہمیں جابجا صنعتوں کا استعمال ملتا ہے۔ زکیؔ نے اپنے کلام میں صنائع و بدائع کے علاوہ کئی شعری و ادبی اصطلاحات کا استعمال اتنی فنی چابک دستی کے ساتھ کیا ہے کہ ہمیں ان کے فنِ سخن کا معترف ہونا پڑتا ہے۔ ان کے کلام میں جگہ جگہ پر ہمیں غالبؔ کا رنگ جھلکتا ہوا نظر آتا ہے لیکن غالبؔ کا رنگ قبول کرنے کے باوجود زکیؔ نے بہت سے مواقع پر اپنے استاد سے انحراف کر کے اپنی انفرادیت کو برقرار رکھا ہے۔ ٹی گراہم بیلی اپنی "اُردو ادب کی تاریخ" کے انگریزی ایڈیشن میں لکھتے ہیں:

"Mohammad Zkaria Khan Zaki(1839-1903(was an inspector of Schools in the united provinces. He was born in Dehli and looked to Ghalib as his teacher. More than any other of Ghalib's pupils he wrote in the style of the master, but he had only slide success. He was found of new subjects, but when a subject did not appeal to him, he had the good sense to avoid it."21

ٹی گراہم بیلی کی تاریخ کے ترجمہ میں سید محمد عصیم لکھتے ہیں:

"محمد زکریا خان زکی (۱۸۳۹ء- ۱۹۰۳ء) یو پی میں اسکولوں کے انسپکٹر تھے۔ یہ دلی میں پیدا ہوئے اور غالب سے شرفِ تلمذ حاصل کیا۔غالب کے دیگر شاگردوں کے مقابلہ میں انھوں نے اپنے استاد کی طرز میں سب سے زیادہ طبع آزمائی کی لیکن کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ یہ نئے نئے موضوعات کی تلاش میں رہتے لیکن جب کوئی نیا موضوع بھی انھیں متاثر نہیں کرتا تو یہ اُسے نظر انداز کر دیتے۔"(۲۲)

ایک مضمون کا کئی جگہ استعمال بھی زکی کی اہم خوبی ہے۔انھوں نے اسے محاورے، تلمیح اور کئی انداز سے برتا ہے۔اس کی مثالیں کثرت سے زکی کے ہاں ملتی ہیں۔کلامِ زکی میں صنائع اور بدائع کی چند اہم مثالیں دیکھیے:

تشبیہ:

زکی کے ہاں تشبیہات کی کثرت ہے اور وہ اسے مختلف حواس کے اجتماع کے ساتھ استعمال کرتے ہیں:

نالہ سے نامہ و پیغام کا مطلب نکلا ہم نے اس طائر بے پر کو کبوتر جانا

(دیوانِ زکی،ص ۲۵)

استعارہ:

تمہارے ابرو و عارض کا یہ تماشا ہے کہ ایک وقت میں ہو بدر بھی ہلال بھی ہو

(دیوانِ زکی،ص ۱۳۰)

صنعت تجنیس:

وہ رشک گل سرِ شام آئے صبح نہ جا سکے　　اسی طرح برس ابرِ بہار اب کے برس

(دیوانِ زکی،ص ۷۷)

صنعتِ تکرار

فنا تھی ہستی ظاہر یہاں مر جانا جینا تھا　　ہمیں تھے غافل ورنہ ذرہ ذرہ چشم بینا تھا

(دیوانِ زکی،ص ۱۳)

صنعت قلب

ہم جسے سمجھے ہیں شہرت وہی تشہیر بھی ہے　　یہی سود اہے کہ ہے گرمی بازار حرص

(دیوانِ زکی،ص ۸۲)

صنعت مبادلۃ الراسین

خشک ہیں دامن دشت و جبل اے چشم ابھی　　موج دریا کو دیا اشک نے الزام کہاں

(دیوانِ زکی،ص ۱۲۲)

صنعت سیاق الاعداد

ہائے یہ ذوق وفا اور بغل میں دل ایک　　ہوتے دو چار بھی دل اور تو شیدا کرتے

(دیوانِ زکی،ص ۱۷۴)

صنعت طباق (سلبی)

ادھر دیکھو نہ دیکھو تم سے کیا ضد　　بھلا سمجھو نہ سمجھو ہم فدا ہیں

(دیوانِ زکی،ص ۱۶۷)

صنعت قول بالموجب

کامیابِ مرگ کب ہوتا ہے ناکامِ وصال　　آپ کیا آتے نہیں مرنے کو ترساتی ہے نیند

(دیوانِ زکی،ص ۶۰)

وصال موت کو بھی کہتے ہیں اور محبوب سے ملاقات کو بھی۔شاعر نے ملاقات ہی کے معنی میں نظم کیا ہے۔

صنعت تنسیق الصفات

غریب و پائمال و بے سر و پا و پراگندہ　　ترے عاشق رفیق کارواں نقش پا نکلے

(دیوانِ زکی،ص ۱۴۵)

صنعت تضاد

سیار تجھ سے مہر و مہ و چرخ روز و شب　　گردش میں تجھ سے دائرہ لیل و نہار

(دیوانِ زکی،ص ۱۱)

صنعت مراۃ النظیر

سیار تجھ سے مہر و مہ و چرخ روز و شب　　گردش میں تجھ سے دائرہ لیل و نہار کا

(دیوانِ زکی،ص۱۱)

صنعت سوال جواب

میں نے جو کہا وصل کا خواب اُن کو تو ہنس کر　　وہ کہتے ہیں اب خواب میں تعبیر کو دیکھو

(دیوانِ زکی،ص ۱۳۳)

صنعت تجرید

آفاق کو ترے رُخِ گلگوں سے ہے فروغ　　صبح بہار ہوتی ہے جیسے بہار صبح

(دیوانِ زکی،ص ۵۷)

صنعت جمع

دو دبے شعلہ ہیں زلف و خط و گیسوے سیاہ　　حسن میں آگ بھی رکھتے ہیں حسیں تھوڑی سی

(دیوانِ زکی،ص ۱۷۲)

صنعت حسن تعلیل

گلشن حسن کی کیا بات یہ ہے اور بہار　　جب حسیں بولتے ہیں پھول سے جھڑ جاتے ہیں

(دیوانِ زکی،ص ۱۲۴)

صنعت اوماج

تصویر کی طرح ہیں تری بزم میں خموش　　گویا ہوئی ہے خلق ہماری زباں عبث

(دیوانِ زکی،ص ۵۴)

صنعت مبالغہ

تم گئے اور بھڑکی آتش غم رفتہ رفتہ جگر کباب ہوا

(دیوانِ زکی،ص۳۹)

صنعت تعجب

حیران ہیں ہم مشاہدۂ نور ذات میں آنکھوں میں کیا سمائے گا رنگ اعتبار کا

(دیوانِ زکی،ص۱۱)

صنعت ترجمۃ اللفظ

تم نہ آئے تو کیا نہ آئی اجل وہ نہ تھا سہل یہ تو آساں تھا

(دیوانِ زکی،ص۳۶)

صنعت موقوف

وہ شوخ صبح شب وعدہ میرے قاصد سے یہ پوچھتا ہے کہو کب تک انتظار ہوا

(دیوانِ زکی،ص۲۱)

صنعت مقابلہ

وصل آغاز تھا فراق انجام کاہش افزا ہے آج دی کا خط

(دیوانِ زکی،ص۸۸)

وصل کے مقابلہ میں فراق اور آغاز کے مقابلہ میں انجام ہے۔

مترادفات

چمن میں غنچۂ دل بھی نہ دیکھنے کو ملے جو کوئے یار کی آئی ہوا، صبا کے عوض

(دیوانِ زکی، ص ۸۳)

قرآنی آیات کا استعمال

کلامِ زکیؔ میں قرآنی آیات کا موزوں اور برمحل استعمال اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ زکیؔ تاریخ وتہذیبِ اسلامی سے ایک خاص حد تک فطری وابستگی رکھتے تھے۔ سورہ بنی اسرائیل اور قرآن پاک کی آخری آیت جو خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر رسولِ کونینؐ پر اُتری۔ ان دونوں واقعات کو اسلامی تاریخ کے تناظر میں وہ جامعیت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ یہ نہ صرف ان کی قادرالکلامی کا بہترین ثبوت ہے بلکہ معجزاتِ رسولؐ کی صداقت پر کامل ایقان وایماں کا شاہد بھی ہے۔ ۲۷ رجب المرجب کا ذکر قرآن مجید کے علاوہ احادیث وتواریخ اسلامی کا ایک مستقل باب ہے۔

علو منزلت نیرنگ سجن الذی اسریٰ کمال مرتبت اکملت اتممت سنا دیکھا

(دیوانِ زکی، ص ۱۲)

ادبی اصطلاحات

ابھی تک اُردو شاعری میں ادبی اصطلاحات کے حقیقی معنی اور مرادی معنوں پر کوئی واضح اور حتمی آرا قائم نہیں کی جاسکتیں اس پر ابھی تک کوئی جامع کام نہیں ہوا۔ نثر میں جہاں تذکرہ نگاروں نے اس کی فکری وفنی توجیہ پیش کی ہے وہ انتہائی قابل قدر ہے۔ لہٰذا اُردو غزل گو کتب بلاغت میں ہمیں فن شعر سے متعلق بعض اصطلاحیں ملتی ہیں لہٰذا اُردو غزل گو شعرا نے اس فکری وفنی توجیہ پیش کی ہے وہ انتہائی قابل قدر ہے۔ علاوہ ازیں جس سے افہام وتفہیم قاری کو دقت

پیش نہیں آتی۔شعرا کے کلام میں بھی بعض ادبی وتنقیدی اصطلاحات شعری کا حوالہ ملتا ہے۔شمس الرحمٰن فاروقی نے شعر شور انگیز اور اندازِ گفتگو کیا ہے؟ میں اس کی مثالیں دی ہیں۔زکیؔ کے کلام میں بھی ان ادبی اصطلاحات کا استعمال ملتا ہے۔

استاد

غزل میں دردِ دل اُن کو سناؤ　　زکیؔ اس فن میں ہوا استاد آخر

(دیوانِ زکی،ص۷۱)

بحر

جوش گریہ سے ہے گرداب گریباں اپنا　　دامن بحر سے ہم پلہ ہے داماں اپنا

(دیوانِ زکی،ص۱۸)

اصطلاح

خواب و بیداری سے یاد یار میں غفلت نہ ہو　　اصطلاح اہلِ دل میں یہ ہی کہلاتی ہے نیند

(دیوانِ زکی،ص۶۰)

تحریر

دل ہو قابو میں تو لکھو اُنھیں کچھ حال اپنا　　رسم تحریر تو ہے طاقت تحریر نہیں

(دیوانِ زکی،ص۱۱۱)

دیوان

مدد شعر مجھے روح سے ہوتی ہے زکی　　نسخۂ دل ہے بغل میں مرے دیوانِ نیاز

(دیوانِ زکی،ص۷۵)

ردیف

اے زکیؔ ترجمۂ علم سراسر ہے ردیف اور معنی میں بھی کہتے ہیں سخنور جانا

(دیوانِ زکی،ص۲۶)

زمین

زمین سخت میں کھاتے ہو ٹھوکریں کیا کیا مشاعرے میں زکیؔ لے کے یہ غزل جاتے

(دیوانِ زکی،ص۱۷۰)

شعر

کس توقع پر غزل لکھیے زکی شعر کا کون یہاں پرساں ہے

(دیوانِ زکی،ص۱۹۰)

صاد

نرگس صفت چشم بتاں عین سخن ہے واللہ زکیؔ اہلِ نظر صاد کریں گے

(دیوانِ زکی،ص۱۷۷)

صنعت

معنی نکالتا ہے سخن ساز لفظ میں شاہد ہیں اُن کی صنعت تجرید کے خطوط

غزل

غزل میں دردِ دل اُن کو سناؤ زکیؔ اس فن میں ہوا اُستاد آخر

(دیوانِ زکی،ص۱۷)

قافیہ

لاکھ بہ تبدیل قوافی غزل تازہ زکی　　تیرے اشعار میں معنی کا مزہ ہوتا ہے

(دیوانِ زکی،ص ۱۶۰)

مشاعرہ

زمین سخت میں کھاتے ہو ٹھوکریں کیا کیا　　مشاعرے میں زکی لے کے یہ غزل جاتے

(دیوانِ زکی،ص ۱۷۰)

مضمون

اے زکی ورق دل کو نہ کر چاک کہ اس میں　　مضمون ہے وفا کا مرے یا تیرے ستم کا

(دیوانِ زکی،ص ۳۳)

محاورات کا استعمال

کلاسیکی اُردو غزل گو شعرا کے ہاں برجستہ اور پُر تاثیر محاورات کا استعمال اُردو ادب کی تہذیبی روایت کا حصہ رہا ہے۔ظفر، ذوق، ظہیر دہلوی اور داغ کو محاورہ بندی میں استادِ کامل کی حیثیت حاصل ہے۔ اسی تہذیبی روایت کے پیش نظر زکی نے بھی اپنے کلام میں جا بجا محاورات کے حُسن بیان سے اس کو فکری و معنوی حوالے سے اعتبار بخشا ہے۔وہ وارداتِ حُسن و عشق کی الم انگیز داستان کو اپنے عہد کے سماجی تقاضوں کے مطابق ڈھال کر محبت کے اس فطری رویے کو مہمیز لگاتے ہیں جسے برصغیر میں بُرا سمجھا جاتا تھا۔

کلامِ زکیؔ میں اُمید بر آنا، آنکھ بھر آنا، جلوہ کرنا، آنکھیں بچھانا، پھولے نہ سمانا، جی چھوٹنا، دل لگانا اور حسرت برتنا کے علاوہ بھی کثیر تعداد میں محاورات ملتے ہیں۔ ان محاورات کے ذریعے وہ اپنے محبوب کی بے اعتنائی، ستم ظریفی، وعدہ خلافی، جور وستم، ناز و ادا، نزاکت، بے وفائی، حسن و ادا، جفا کاری، نشیلی آنکھیں، لب و دنداں اور کالی گھٹا جیسی زلفوں کا تذکرہ صدقِ دل سے کرتے ہیں۔

امید بر آنا

قتل کو اُس نے پس از عمر نکالی تلوار　　بعد مدت کے بر آئی مرے سر کی اُمید

(دیوانِ زکی، ص ۶۱)

آنکھ بھر آنا

جلوہ کرتے نہیں تم دل میں اور میں روتا ہوں　　آنکھ بھر آتی ہے خالی جو مکاں ہوتا ہے

(دیوانِ زکی، ص ۱۶۰)

آنکھیں بچھانا

ستم پر آنکھیں بچھاتے ہیں مثل نقش قدم　　تری نظر کی طرح ہم بدل نہیں جاتے

(دیوانِ زکی، ص ۱۷۱)

پھولے نہ سمانا

سن سن کے مژدہ آمد فصل بہار کا　　پھولی نہیں چمن میں سماتی ہے عندلیب

(دیوانِ زکی، ص ۴۴)

جی چھوٹنا

اُن کے جانے سے جی ہی چھوٹ گیا ناز تھا ہم کو دل لگانے پر

(دیوانِ زکی،ص ۷۰)

حسرت برسنا

کیا یہ یاس نے غارت کہ اب حسرت برستی ہے دل ویراں کبھی نقد تمنا کا دفینا تھا

(دیوانِ زکی،ص ۱۴)

تلمیحات

کلام زکیؔ میں کئی مستعمل تلمیحات ایک دوسرے کے مدِمقابل متوازی صورت میں اپنا رنگ بکھیرتی نظر آتی ہیں۔اس کے دو پہلو ہیں : قرآنی تلمیحات، تاریخی تلمیحات۔قرآنی تلمیحات میں موسیٰؑ، عیسیٰؑ، ابراہیمؑ، خضرؑ، سلیمانؑ، بلقیس، یوسفؑ اور یعقوبؑ اہم ہیں۔تاریخی تلمیحات میں سکندر، جمشید، دارا، مانی و بہزاد، عنقا، شیریں وفرہاد اور لیلیٰ ومجنوں کے ذریعے وہ اپنے عہد کی دگرگوں سماجی وتہذیبی صورت حال اور اس زمانے کی ناعاقبت اندیشی کو موضوع بحث بناتے ہیں۔

زکیؔ نے اُردو شاعری کی قدیم تہذیبی روایت سے انحراف کی بجائے اسے سینے سے لگایا۔وہ ان دیکھی دنیاؤں کی مسافت نہیں کرتے بلکہ دہلوی تہذیب ومعاشرت اور حقائق زمانہ ان کی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت ہے۔وہ انھیں اس ترتیب وتنظیم سے اپنے کلام میں سموتے ہیں کہ ان کی فنی پختگی کا معترف ہونا پڑتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے عہد

کے تہذیبی وسماجی رویوں سے آنکھیں پھیرنے کی بجائے اسے نشانۂ تنقید بناتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ دہلوی اُردو میں شاہ حاتم وآبرو، میر وسودا، میر حسن، درد، غالب ومومن اور ذوق وظفر کے نام استناد کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن ان معتبر استادانِ فن کے آگے زانوئے تلمذ طے کرنا اور ان جیسا طرزِ سخن اپنانا اتنا آسان نہ تھا۔ زکیؔ نے غالب کی مشکل پسندی اور مخصوص طرزِ ادا کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا۔ اس کی چند مثالیں یہ ہیں:

حاصل ہے زکیؔ ایک دل صاف سے اپنے آئینہ و جام اب ہمیں اسکندر و جم کا

(دیوانِ زکی، ص ۳۴)

یہاں کی صورت گرد ہن کو اُس کے کہتے تھے عدم ہے عدم میں بھی یہ جھگڑا مانی و بہزاد میں

(دیوانِ زکی، ص ۱۱۷)

کام تیرا اگر زکیؔ نکلے حضرت بوتراب سے نکلے

(دیوانِ زکی، ص ۱۸۷)

خضر کو جانا جو کچھ تو نے سکندر جانا ہم نے اپنے دل سرگشتہ کو رہبر جانا

(دیوانِ زکی، ص ۲۶)

فخر ہم کو تو زکیؔ فقر سے ہے تھا سکندر کوئی دارا کوئی

(دیوانِ زکی، ص ۱۸۴)

رہ میں اُس غیرت بلقیس کی مو جانا غبار صورت تخت سلیماں ہے ہوا پر جانا

(دیوانِ زکی، ص ۲۶)

مرگ عاشق ہی نہیں ہے انتہائے ظلم عشق جان شیریں بھی گئی آخر غم فرہاد میں

(دیوانِ زکی، ص ۱۱۸)

ہوا عزلت میں شہرہ مثل عنقا مجھے ہے فیض عشقِ نامور کا

(ص ۳۷)

بے سر و پائی مجھے تم کو مبارک پاس وضع میں بھی ہوں مجنوں صفت تم ہو اگر لیلیٰ مزاج

(دیوانِ زکی،ص ۵۶)

تراکیب کا برمحل استعمال

کلامِ غالب کی ایک اہم خوبی فارسی تراکیب کا برمحل استعمال ہے۔ یہ رنگ کلامِ زکی کا خاص رنگ ہے جس میں طرزِ غالب کا پرتو صاف نظر آتا ہے یہی وجہ ہے کہ کلامِ زکی میں طرزِ ادا و رنگِ غالب کی روح تادم آخر قائم رہی۔ وہ غالب نہ تھے ے اور نہ ہی بن غالب سکتے تھے لیکن ان کے جسدِ خاکی میں غالب کی آفاقی روح نے زندگی بسر کی۔ وہ انکشافِ ذات سے انکشافِ کائنات تک کے سفر کو علائم و رموز کے لطیف پیرائے میں ضبط و اعتدال کے ساتھ یوں پیوند کلام کرتے ہیں کہ ان کی شاعرانہ فکری وفنی صلاحیتوں کا معترف ہونا پڑتا ہے۔ ان کے کلام کو پڑھتے ہوئے کہیں کہیں یہ احساس دامن گیر ہونے لگتا ہے کہ یہ تدبر و تفکر، فارسی تراکیب، دل فریب اندازِ بیاں، ایجاز و اختصار، وسعت معانی، حقائق زمانہ کی ظریفانہ بیخ کنی، ہجر و وصال کی پُر کیف ساعتیں، حیات و ممات کے سربستہ راز اور برصغیر کی سماجی و تہذیبی صورت حال کا الم ناک نوحہ جس جگر کاوی کا منظر نامہ پیش کرتا ہے یقیناً اس کا پیش خیمہ غالب کی آفاقی شاعری تھی۔ مثال کے طور پر بوئے گل، بزمِ دشمن، یارِ ستم گر، بادۂ شوق، گل بر سرِ گل، جوشِ مستی، تشنۂ یارانِ رحمت، چشمِ بینا اور چراغِ سحر جیسی پُر تاثیر تراکیب ان کے کلام کی قدر و قیمت میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔

ویرانہ ہو گیا تھا دل خانماں خراب پھر اُس کو بوے گل سے بساتی ہے عندلیب

(دیوانِ زکی،ص ۴۴)

پوچھتا ہے بزمِ دشمن میں تجاہل سے مجھے ہو گئی حسن ادا یار ستم گر کی تلاش

(دیوانِ زکی،ص۷۸)

بادۂ شوق سے کس کے ہے بھرا ساغر گل جوشِ مستی سے گرے پڑے ہیں گل برسرِ گل

(دیوانِ زکی،ص۱۰۰)

زکیؔ کے دل کو کر سیراب فیض تربیت سے یارب یہ کشتہ نامرادی تشنۂ باراں رحمت ہے

(دیوانِ زکی،ص۱۴۶)

فنا تھی ہستی ظاہر یہاں مر جانا جینا تھا ہمیں غافل تھے ورنہ ذرہ ذرہ چشم بینا تھا

(دیوانِ زکی،ص۱۳)

ہر دم یہ فکر کیوں ہے کہ اُٹھ جائے بزم سے عاشق کہیں تمہارا چراغِ سحر ہوا

(دیوانِ زکی،ص۲۲)

زکیؔ کے کلام میں پائی جانے والی خوبیوں کے معترف خود غالبؔ بھی تھے۔غالبؔ نے اپنے ایک خط میں جو زکیؔ کے نام تھا۔ان کی تعریف کچھ ان الفاظ میں کی ہے:

"آپ کا عنایت نامہ پہنچا۔آپ از روئے شرافت نسبی ولیاقت حسبی آفتاب ومہتاب ہیں۔آپ کا کیا کہنا ہے۔ اس عمر میں علم وفضل پایۂ بلند حاصل کیا ہے کہ دوسروں کو یہاں تک پہنچنا مشکل ہے۔مثنوی کے اشعار میں نے دیکھے اور پسند کیے۔بطریق سہل ممتنع ہیں۔اُردو فصیح،عبارت سلیس،الفاظ نہایت سنجیدہ ومتین،حرف حرف شستہ ورفتہ خوبیاں جو نظم میں ہونی چاہئیں سب موجود ہیں۔"(۲۳)

ان درج بالا خوبیوں سے متصف زکریا خاں زکیؔ اُردو ادب کی تاریخ میں اپنا ایک مستقل مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے فکر وفن کے ذریعے نہ صرف اُردو شاعری کا دامن وسیع کیا بلکہ اسے خاصے کی چیز بنا دیا۔

زکیؔ نے ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۳ء کو بدایوں میں وفات پائی اور حضرت سید احمد صاحب والد ماجد حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ کے باہر جنوبی دیوار کے زیرِ سایہ جانب مشرق آسودہ خواب ہیں۔(۲۴)

انیسویں صدی میں جہاں دیگر شعرا نے اپنی شاعری کے میدان میں ناموری پائی انھیں میں زکیؔ بھی شامل ہیں۔جن کا کلام اُن کے عہد کے معاصر جرائد میں بھی شائع ہوتا رہا۔اور انھوں نے مشاعروں میں بھی کلام کا جادو جگایا۔ اور اپنے معاصرین سے بھی داد وتحسین حاصل کی۔اُن کے کلام میں سیاسی،سماجی،عصری، مذہبی اور تاریخی شعور واضح طور پر موجود ہے جس کی روشنی میں ہم اُن کے عہد کے حالات واقعات کو متحرک شکل میں دیکھ سکتے ہیں۔محبوب کی بے اعتنائی،ناز وادا، بے وفائی،محبوب کے ابرو وعارض، جور وستم،سماجی زندگی کے مسائل،فقر ودرویشی،حسرت وارماں، خودی وخود شناسی،احساسِ ذات کا نوحہ،وارداتِ قلبی،حسن وعشق کے معاملات،اخلاقی اقدار،سماجی روایات،تہذیبی رکھ رکھاؤ،احترامِ انسانیت،عظمتِ انسان،حق زمانہ،بدلتے رویوں کا نوحہ انسان کے،تصوّف جذبہ ورومان، زندگی کی محرومیاں،بالا دست طبقے کی ہٹ دھرمی،تنہائی کا کرب،انسان کا اخلاقی زوال،وحدت الوجود،وحدت الشہود،تصورِ فناو بقا،تصور توحید ورسالت،ہجر وفراق محبوب،وصالِ محبوب،مشاہدۂ نور اور زندگانی کے تلخ حقائق ان کے خاص موضوعات ہیں۔

حوالہ جات

(۱) زکی دہلوی محمد زکریا خاں، سید، دیوانِ زکی، دہلی : مطبع رضوی، جون ۱۸۹۵ء، ص ۴

(۲) سر سید راس مسعود، انتخابِ زریں، بدایوں : نظامی پریس، تیسرا ایڈیشن، ۱۹۳۷ء، ص ۱۴۸

(۳) نظیر لدھیانوی، تذکرہ شعرائے اُردو، لاہور : عشرت پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۵۳ء، ص ۱۷۷

(۴) رام بابو سکسینہ، تاریخ ادب اُردو، مترجم : مرزا محمد عسکری، دہلی : سوولیتھو پریس، ۱۹۶۶ء، ص ۴۰۳

(۵) مالک رام، تلامذۂ غالب، نئی دہلی : مکتبہ جامع، دوسرا ایڈیشن، ۱۹۸۴ء، ص ۲۳۴-۲۳۵

(۶) لالہ سری رام، خمخانۂ جاوید، جلد سوم، دلی : دلی پرنٹنگ ورکس، ۱۹۱۷ء، ص ۶۲۵

(۷) محمد جمیل احمد، اُردو شاعری کی مختصر تاریخ، لکھنؤ : نول کشور پریس، ۱۹۴۱ء، ص ۱۰۰-۱۰۱

(۸) نیاز فتح پوری، "اُردو شاعری پر تاریخی تبصرہ"، مشمولہ ماہنامہ نگار، لکھنؤ، جلد ۲۷، شمارہ ۱، ۱۹۳۵ء، ص ۴۷

(۹) مالک رام، تلامذۂ غالب، دوسرا ایڈیشن، نئی دہلی : مکتبہ جامع، ۱۹۸۴ء، ص ۲۳۴

(۱۰) غالب، مرزا اسداللہ خاں، دیوانِ غالب، مرتبہ : پروفیسر حمید احمد خاں، لاہور : مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۹ء، ص 60

(۱۱) زکی، سید محمد زکریا خان دہلوی، دیوانِ زکی، دہلی : مطبع رضوی، جون ۱۸۹۵ء، ص ۱۳

(۱۲) غالب، مرزا اسداللہ خاں، دیوانِ غالب، مرتبہ : امتیاز علی خاں عرشی، لاہور : مجلس ترقی ادب، طباعت دوم، ۲۰۱۱ء، ص ۶۶

(۱۳) زکی، سید محمد زکریا خان دہلوی، دیوانِ زکی، دہلی : مطبع رضوی، جون ۱۸۹۵ء، ص 10

(۱۴) غالب، مرزا اسداللہ خاں، دیوانِ غالب، مرتبہ : امتیاز علی خاں عرشی، لاہور : مجلس ترقی ادب، طباعت دوم، ۲۰۱۱ء، ص ۲۲۰

(۱۵) زکی، سید محمد زکریا خان دہلوی، دیوانِ زکی، دہلی : مطبع رضوی، جون ۱۸۹۵ء، ص ۱۱۰

(۱۶) غالب، مرزا اسداللہ خاں، دیوانِ غالب، مرتبہ : امتیاز علی خاں عرشی، لاہور : مجلس ترقی ادب، طباعت دوم، ۲۰۱۱ء، ص ۲۲۶

(۱۷) زکی، سید محمد زکریا خان دہلوی، دیوانِ زکی، دہلی : مطبع رضوی، جون ۱۸۹۵ء، ص ۷۲

(۱۸) ایضاً،ص ۶۰

(۱۹) ایضاً،ص ۱۳۰

(۲۰) انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد : مقتدرہ قومی زبان، فروری ۱۹۹۱ء، ص ۲۶۰

(۲۱) A History of Urdu Literature, by T. Grahim Bailey, London: Oxford University Press, 1932, p. 74

(۲۲) ٹی گراہم بیلی، اُردو ادب کی تاریخ، مرتب و مترجم : سید محمد عصیم، دہلی : تاج پرنٹرز، نجف گڑھ روڈ، ۱۹۹۳ء، ص ۱۳۴

(۲۳) غالب کی نادر تحریریں، مرتبہ : خلیق انجم، دہلی : بیری آرٹ پریس اور کوہِ نور پریس، ۱۹۶۱ء، ص ۸۶

(۲۴) سر سید راس مسعود، انتخابِ زریں، بدایوں : نظامی پریس، تیسرا ایڈیشن، ص ۱۴۸

Editorial Board

Iftikhar Arif, Ex,DG, Idara e Forogh e Urdu Pakistan,Islamabad

Dr. Muhammad Saleem Akhtar, Ex Honorary Editor, Pegham-e-Ashna

Dr. Hilal Naqavi,Pak Study Centre

, Karachi University, Karachi

Punjab, Lahore of**Dr. M. Akram Ikram,** Chairperson, Iqbal Chair, Universit y

Persian NUML, Islamabadof. Dept‹**Dr. Mehr Noor Mohammad Khan,** Ex-Chairperson

Dr. Mohammad Yousaf Khushk, Chairperson Academy of letters Pakistan,

Islamabad

Dr. Shugufta Mosavi, Ex HOD, Persian Department, NUML, Islamabad

Dr. Muhammad Safeer, HOD, Persian Department, NUML, Islamabad

Advisory Board

Dept.of urdu, Al Azhar University, ‹**Dr. Ibrahim Mohammad Ibrahim,** Chairperson

Egypt

Dr. Haider Raza Zabit, Islamic Research Centre, Astan-e-Quds Rizvi, Mashad, Iran

Dr. Khalil Tauq Aar, Chairperson‹Dept,.of urdu Ankara University, Istanbul, Turkey

Prof. Sahar Ansari, Anjuman Taraqi e Urdu , Karachi.

Department of Pakistani Languages, ‹**Dr. Abdullah Jan Abid,** Chairperson

AIOU,Islamabad

Persian Jamia Milia Islamia, Dehli, Indiaof.**Dr. Iraq Raza,** Chairperson Dept

Dr. Ali Bayat, Chairperson Dept.of urdu, Tehran University, Tehran, Iran

Dr. Maqsood Ilahi Sheikh, Research Scholar, Bradford, England

Dr. Mohammad Nasir, Chairperson Dept.of Persian, Oriental College, UoP, Lahore

Dr. Najeeba Arif, Deen, IIUI, Islamabad.

PAYGHAM-E-ASHNA

ISLAMABAD - PAKISTAN

Vol. 21, S.No.83

(April to June) 2021

(Iqbal Number)

Chief Editor

Ehsan Khazaei

Editor

Dr. Ali Kumail Qazalbash

Cultural Consulate

Embassy of Islamic Republic of Iran, Islamabad

House No. 25, Street No 27, F-6/2, Islamabad, Pakistan

Ph:051 2827937-8 fax: 051 2821774

Email: iran.council@gmail.com, payghameashna@gmail.com

Web: http://islamabad.icro.ir

ISSN: 2079-4568

Payghame-e-Ashna

VOL. 21, S.NO. 83
(APRIL TO JUNE) 2021

ای بسا شاعر که بعد از مرگ زاد
چشم خود بر بست و چشم ما گشاد
رخت ناز از نیستی بیرون کشید
چون گل از خاک مزار خود دمید

علامه اقبال

رایزنی فرهنگی سفارت جمهوری اسلامی ایران - اسلام آباد

ISSN: 2079-4568